www.urducouncil.nic.in

دسمبر 2019، قیمت :- ₹10

ماھنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا
دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

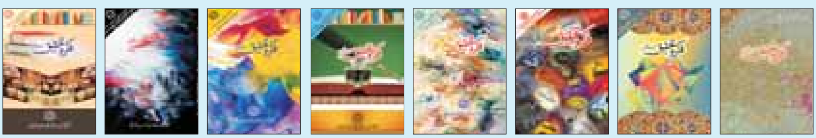

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

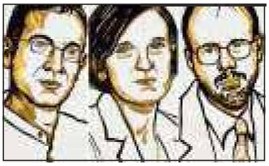

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
مضامین	2019 کے نوبیل انعامات	انس انصاری	06
	امتحان کیسے دیں	مومن فیاض احمد غلام مصطفی	12
	الیگزینڈر ڈوما	ڈیل کارنیگی	15
	ہماری دنیا	عبدالغنی شیخ	18
	تو شاہیں ہے.....	محمد اشرف عظیم آبادی	21
نظمیں	ماگھ	ذکی احمد اے ایم	24
	بچہ مزدوری	غفران احمد	25
	اصلی دوستی	شمیم اختر	25
	انکساری	مظہر الاسلام	26
	پھول	بریرہ تبسم	26
کہانیاں	غریب رامو	احمد مشکور	27
	پیڑ کا غم	م۔ ندیم (علیگ)	29
	ماچس گرل	انصاری حفیظ الرحمن	31
	اور آنکھ کھل گئی	منظر مظفر پوری	33
	لالچی مکوڑا	سید صفدر رضا کھنڈوی	36
نظم	چچا نرالے	محمد اسداللہ	40
اردو کا جادو	اردو زبان کا جادو	ادارہ	41
باتصویر کہانی	انجن ناری کی کہانی اس کی زبانی	شمس الاسلام فاروقی	42
قسط وار ناول	بے زبان ساتھی	وکیل نجیب	46
کہکشاں	پنڈت جواہر لعل نہرو	خیر النسا مکاندار	51
	دوستی	عابد علی خاں	52
	دانائی کی باتیں		53
	انجام سوچ لو!	عبدالقیوم ماسٹر	54
	سنہرے اقوال	سید عبیداللہ ہاشمی	55
	قلعہ دولت آباد	سمیع الدین اطہر	56
ننھے فنکار	ہنسی کے غبارے		58
	شیطان لومڑی	تسکین ثروت	59
	باپ کی اہمیت	فرحہ ناز نور احمد لکھنوی	60
	بچوں کی پینٹنگ		61

بچوں کی دنیا

جلد: 7 شمارہ: 12 دسمبر 2019

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/ روپے، سالانہ 100/ روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون: 26109746
ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 1-5، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! سال کا آخری شمارہ حاضر ہے۔ سال کے آغاز میں آپ سب نے اپنے اپنے مقاصد مقرر کیے ہوں گے۔ اب سال کے آخر میں محاسبہ کرنے کا وقت آ گیا ہے کہ آپ اپنے کاموں میں کتنا کامیاب ہوئے اور آگے مزید کتنی کوششیں کرنے کی ضرورت ہے۔

دوستو! اوپر والے نے ہمیں زندگی اس لیے دی ہے کہ ہم کچھ بہتر کریں اپنے گھر والوں کے لیے اور سماج کے لیے اور ان کا سر اونچا کریں۔ لیکن اس کے لیے ہمیں مسلسل محنت اور کوشش کرنی ہوگی۔ ہمیں اپنے مقصد کے تئیں سنجیدہ رہنا ہوگا اور مثبت سمت میں قدم بڑھانا ہوگا۔ آپ سب اپنی زندگی کے جس پڑاؤ پر ہیں آپ کو خود سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ آپ کیا بننا چاہتے ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں لہٰذا آگے کی زندگی کے لیے ایک مقصد متعین کرنا آپ کے لیے ضروری ہے۔

بچو! 2019 ان معنوں میں اہمیت کا حامل رہا کہ ہمارے ملک کی اَرُونیما سنہا دنیا کی پہلی ایسی معذور خاتون ہیں جنھوں نے ماؤنٹ ایورسٹ فتح کیا۔ ویدیشا بالیان پہلی ایسی ہندوستانی خاتون ہیں جو سماعت سے معذور ہیں اور انھوں نے Miss Deaf World 2019 کا خطاب جیتا۔ اسی طرح ہندوستان کی کرکٹ ٹیم نے حال ہی میں جنوبی افریقہ سے ٹسٹ سیریز جیت کر لگاتار گیارہ ٹسٹوں میں فتح حاصل کرنے کا ریکارڈ بنایا۔ ہمارے خلائی تحقیقی مرکز اسرو نے اسی سال چندریان 2 کا بھی تجربہ کیا۔ اس سال کی ایک اور اچھی خبر یہ ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا اور باوقار نوبل انعام برائے معاشیات ہندنژاد امریکہ کی میساچیوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی میں پروفیسر ابھجیت بنرجی اور ان کی اہلیہ پروفیسر ایستھر ڈفلو اور پروفیسر مائیکل کریمر کو دیا گیا ہے۔ ہم سب کے لیے یہ یقیناً فخر کی بات ہے۔ ہمارے وزیر اعظم عزت مآب نریندر مودی نے ان سے ملاقات کے دوران کہا کہ ہندوستان کو ان کی اس کامیابی پر فخر ہے اور انھوں نے غربت کو ختم کرنے کی سمت میں قابل ذکر کردار ادا کیا ہے۔ واضح ہو کہ ان تینوں شخصیات کو عالمی سطح پر غربت مٹانے کی سمت میں ریسرچ کرنے کے لیے یہ انعام ملا ہے۔ پروفیسر بنرجی کی پیدائش 21 فروری 1961 کو بمبئی میں ہوئی۔ یونیورسٹی آف کلکتہ سے بی ایس سی کرنے کے بعد انھوں نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نئی دہلی سے ایم اے (معاشیات) کیا۔ بعد میں انھوں نے ہارورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی ان اکنامکس کی ڈگری حاصل کی۔ اس سے قبل انھیں جیرالڈ لوئیب، برنارڈ ہارمس جیسے ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔ ابھجیت بنرجی نے راجستھان میں غریبی دور کرنے کی سمت میں بھی اہم تجربہ کیا ہے، ساتھ ہی ملک کی دیگر ریاستوں گجرات، ہریانہ، پنجاب اور تمل ناڈو میں بھی ان کے تجربات کو اپنایا جا رہا ہے۔ پروفیسر بنرجی اور ان کی اہلیہ پروفیسر ایتھر ڈفلو نے عبداللطیف جمیل پاورٹی ایکشن لیب (J-PAL) بھی قائم کیا ہے۔ ان کی کتاب Poor Economics بہت مقبول ہوئی اور اس کتاب کا 17 زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ نوبل انعام یافتہ ابھجیت بنرجی نے اپنی ایک تقریر میں بڑی بیش قیمت بات کہی ہے کہ ہارڈ ورک (سخت محنت)، ہارورڈ سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اس لیے آپ جہاں بھی پڑھ رہے ہیں اپنی پوری توجہ پڑھائی پر دیں اور اپنے مستقبل کو روشن کریں۔

دوستو! اب آپ 'بچوں کی دنیا' پڑھیں۔ اس میں نوبل انعامات 2019 پر خصوصی مضمون شامل ہے اور سلسلہ وار ناول 'بے زبان ساتھی' کی آخری قسط بھی۔ جلد ہی کوئی دوسرا دلچسپ سلسلہ شروع کیا جائے گا جسے آپ سب یقیناً پسند کریں گے۔

آپ کا

شیخ عقیل احمد

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

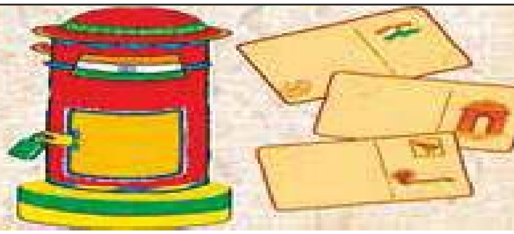

عیدالفطر کے اس پرمسرت موقعے پر ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جون 2019 وصول ہوا اور خوشیوں کو دوبالا کرگیا لیکن جلیاں والا باغ کی برسی سے دل مسوس کر رہ گیا۔ کیا جیالے لوگ تھے جنھوں نے وطن عزیز کی آزادی کی خاطر بے مثال قربانیاں پیش کیں۔ اس شمارے میں باہمی میل و محبت اور ایکتا کے اچھے اچھے سبق دیے گئے ہیں۔ عید اور عید کے علاوہ میٹھی میٹھی نظمیں بڑی بھلی لگیں۔ کہانی 'دادی کی بکری' کے کیا کہنے، بہت ہی خوب ہے۔ بچوں کی پینٹنگس لاجواب ہیں۔ بہرحال بچوں کے لیے اس ہنستے بولتے کھلونے میں ہر کھیل شامل ہے۔ بتاؤ اور کتنا کھیلو گے؟

'بچوں کی دنیا' اگست 2019 موصول ہوا۔ اس کے مطالعہ نے یوم آزادی کی خوشیوں کو دوبالا کردیا۔ یومِ آزادی پر کیا ہی اچھی نظمیں، کیسے اچھوتے مضامین، بڑی بڑی ہستیوں جیسے مولانا ابوالکلام آزاد، جگدیش چندر بوس وغیرہ کے کارنامے، حیرت انگیز معلومات جیسے کوڑی، عالمی حرارت، ہندوستان کی پہلی بولتی فلم وغیرہ، اچھی اچھی کہانیاں جیسے بات بس اتنی، لالچی بیرا وغیرہ کہاں تک ذکر کریں۔ اس طرح یہ شمارہ گویا مچلتا، مہکتا، تھرکتا، لہکتا گوناگوں خوشیوں کا مرقع ہی تو ہے یعنی زمین سے آسمان تک اس کا کوئی جواب نہیں۔

ایم۔ این۔ کے۔ غوری، روضہ باغ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

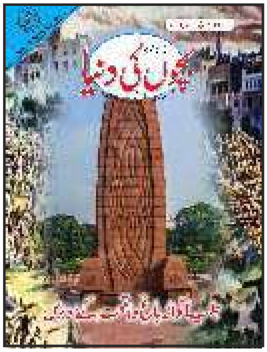

شمارے مل رہے ہیں، گھر کے تمام بچوں کا محبوب ہوتا ہے یہ رسالہ۔ ڈاک کی گڑبڑی کی وجہ سے ایک دن کی بھی انھیں گراں گزرتی ہے، رسالے کی اچھائی اور خوبصورتی ہی ان کی پسندیدگی کی وجہ نہیں ہے، اس کے مشمولات بھی ان کو بے چین کرتے ہیں، رسالے کی تبدیلیاں، آرٹ اور کہانیوں کے ساتھ ان کی مماثلت بھی اس کی کامیابی اور پسندیدگی کی وجہ ہے۔

نذیر احمد یوسفی، رحمانیہ اسٹریٹ اسکول، آسنول، ویسٹ بنگال

معروضہ ہے کہ ماہِ اگست کا شمارہ 'بچوں کی دنیا' دستیاب ہوا۔ ورق گردانی کرنے پر لطف اندوز ہوا۔ آج کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی 'آپس کی باتیں' بہت کارگر ہیں۔ کاش اس پر عمل درآمد ہوجائے تو واقعی ہماری آزادی ہمیں راس آئے بغیر نہیں رہے گی۔

عبدالرزاق دل کولھاپوری، کولھاپور، ضلع امراوتی، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' پابندی سے پڑھتی ہوں۔ بہت دلچسپ اور معلوماتی رسالہ ہے۔ کاش کہ ایسا خوبصورت اور جاندار رسالہ ہمیں اپنے بچپن میں نصیب ہوا ہوتا۔

ڈاکٹر صبیحہ انور، نامی پریس بلڈنگ، خواجہ قطب الدین روڈ، لکھنؤ، یوپی

'بچوں کی دنیا' پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ بڑوں اور بچوں کے لیے بہت مفید ہے۔

سید ارشاد عالم، سونگڑہ، کٹک (اڈیشا)

انس انصاری

2019 کے نوبیل انعامات

الفریڈ نوبیل 21 اکتوبر 1833 کو اسٹاک ہوم، سویڈن میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک انجینئر، کیمیاں داں اور موجد تھے۔ انھوں نے 355 ایجادات کیں جن میں سب سے مشہور ڈائنامائٹ ہے۔ 27 نومبر 1895 میں الفریڈ نوبیل نے اپنی آخری وصیت پر دستخط کیے جس میں انھوں نے اپنی جائیداد کا بہت بڑا حصہ (31 ملین سویڈش کرونا (31 Million Sek) آج کے وقت میں تقریباً 1702 ملین سویڈش کرونا (1702 Million Sek) کے برابر ہے۔ ایک ملین 10 لاکھ ہوتا ہے اور سویڈش کرونا (Swedish Krona) سویڈن کی کرنسی ہے (ایک سویڈش کرونا = 7.14 ہندوستانی روپے 2019 میں)

الفریڈ نوبیل کی وصیت کے مطابق یہ رقم نوبیل انعام دینے کے لیے مختص ہے۔ یہ رقم طبعیات، کیمیا، طب، ادب اور امن کے شعبے میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے افراد کو نوبیل انعام سے سرفراز کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور ان افراد کا کام یا تحقیق انسانیت کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ ایسے افراد یا تنظیموں کو اس انعام کے لیے نامزد کیا جاتا ہے۔

1968 میں سوے ریجس رکس بینک (veriges Riks Bank) جو کہ سویڈن کی مرکزی بینک ہے، نے الفریڈ نوبیل کی یاد میں سوے ریجس رکس بینک انعام، معاشیات کی بنیاد رکھی۔ اس طرح کل 6 زمروں میں نوبیل انعام دیے جاتے ہیں اور وہ طبعیات، کیمیا، طب، ادب، امن اور معاشیات ہیں۔ امن کا نوبیل انعام اوسلو (ناروے کی راجدھانی) میں دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ باقی سارے انعامات اسٹاک ہوم میں دیے جاتے ہیں۔

نوبیل انعام حاصل کرنے والے افراد کے ناموں کا اعلان اکتوبر کے مہینے میں کیا جاتا ہے لیکن یہ انعام 10 دسمبر کو

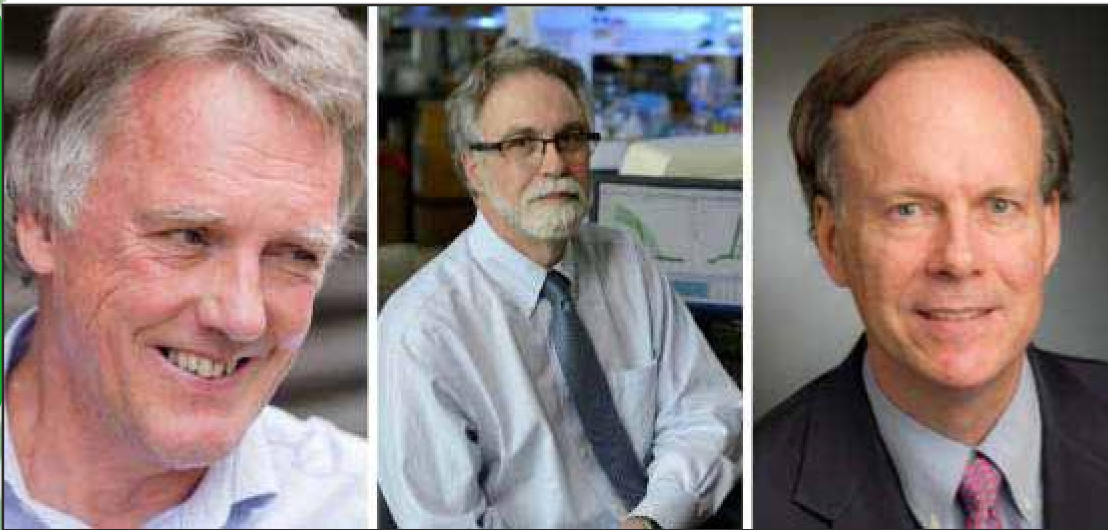

2019 طب (Medicine) کا نوبیل انعام: ولیم جی کیلن جونیئر، گریگ ایل سیمینزا، سر پیٹر جے ریٹ کلف

دیا جاتا ہے جو کہ الفریڈ نوبیل کا یوم وفات ہے۔ الفریڈ نوبیل کا انتقال 10 دسمبر 1896 کو ہوا اور یہ انعامات پہلی مرتبہ 1901 سے شروع کیے گئے۔ رواں سال 2019 کے نوبیل انعامات کا اعلان ہو چکا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں ان افراد کے نام اور ان کا میدانِ عمل۔

2019، طب (Medicine) کا نوبیل انعام: یہ انعام مشترکہ طور پر تین سائنس دانوں کو دیا گیا:

(1) ولیم جی کیلن جونیئر (William G. Kaelin Jr.)، امریکی سائنس داں۔

(2) گریگ ایل سیمینزا (Gregg L. Semenza)، امریکی سائنس داں۔

(3) سر پیٹر جے ریٹ کلف (Sir Peter J. Ractcliff)، برطانوی سائنس داں۔

یہ انعام انھیں ''آکسیجن کی دستیابی (کم یا زیادہ) سے انسانی خلیات کی حس اور توافق کی تحقیق'' کے لیے دیا گیا ہے۔

2019 طبیعات (Physics) کا نوبیل انعام: یہ انعام مشترکہ طور پر تین سائنس دانوں کو دیا گیا:

(1) جیمس پی بلس (James Peebles)، کینیڈا میں پیدا ہوئے، کینیڈا اور امریکہ دو ممالک کی شہریت حاصل ہے۔

(2) میشل میئر (Michel Mayor)، سوئٹزرلینڈ۔

(3) دی دیئر کویلوز (Didier Queloz)، سوئٹزرلینڈ۔

یہ انعام انھیں کائنات کے وجود میں آنے کی تحقیق اور انکشاف کے لیے دیا گیا۔ ان کی تحقیق سے بگ بینگ تھیوری (Big Bang Theory) کو سمجھنے میں اور کائنات کے بننے اور کائنات کا مطالعہ کرنے میں مدد ملے گی۔

سائنس کے مطابق کائنات کا وجود ایک بہت بڑے دھماکے سے ہوا۔ اس نظریہ کو بگ بینگ تھیوری (Big Bang Theory) کہا جاتا ہے۔

جیمس پی بلس کو نوبیل انعام ان کی طبیعاتی علم کائنات

(Physical Cosmology) کے لیے دیا گیا۔ انھوں نے اپنی تحقیق میں بتایا کہ کائنات کا صرف 5 فیصد کائنات میں ڈارک میٹر اور ڈارک انرجی ہے۔

میشل میئر اور دی دیئز کو یلوز کو یہ انعام ایک باہری سیارے (Exoplanet) کی دریافت کے لیے دیا گیا جو کہ سورج سے مشابہ ستارہ کے گرد گردش کررہا ہے۔ باہری سیارہ اس کو کہتے ہیں جو ہمارے نظام شمسی سے باہر کسی اور ستارہ کی گردش کررہا ہو۔ ان حضرات نے 1995 میں پہلا باہری سیارہ دریافت کیا جس کا نام پیگاسی بی (Pegasi B) تھا۔ یہ بہت بڑی جسامت کا ہے تقریباً مشتری (Jupiter) سیارے کے برابر۔ آج تقریباً چار ہزار باہری سیاروں کی دریافت ہوچکی ہے جو کہ صرف ہماری کہکشاں ملکی وے میں ہیں۔

جیمس پی بلس کو نوبیل انعام کی رقم کا پچاس فیصد ملے گا اور میشل میئر اور دی دیئز کو یلوز کو پچیس پچیس فیصد ملے گا۔

2019 کیمیا (Chemistry) کا نوبیل انعام: یہ مشترکہ طور پر تین سائنس دانوں کو دیا گیا۔

(1) جان بی گڈ انف (John B. Goodenough)، امریکی سائنس داں۔

(2) ایم اسٹینلی وٹینگھم (M. Stanley Whittingham)، امریکی سائنس داں۔

(3) اکیرا یوشینو (Akira Yoshino)، جاپانی سائنس داں۔

یہ انعام انھیں لیتھیم، آئن بیٹری (Lithium-Ion Battery) برقی خانہ کی تحقیق و ترقی کے لیے دیا گیا ہے۔ یہ بیٹری موبائل لیپ ٹاپ اور دوسری برقی آلات میں استعمال ہوتی ہے۔ یہ بیٹری لیڈ-ایسڈ بیٹری سے چھ گنا زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ یہ نسبتاً ہلکی بھی ہوتی ہے۔ ان کی اس تحقیق سے رکازی ایندھن سے ہونے والے کاربن کے اخراج میں کمی

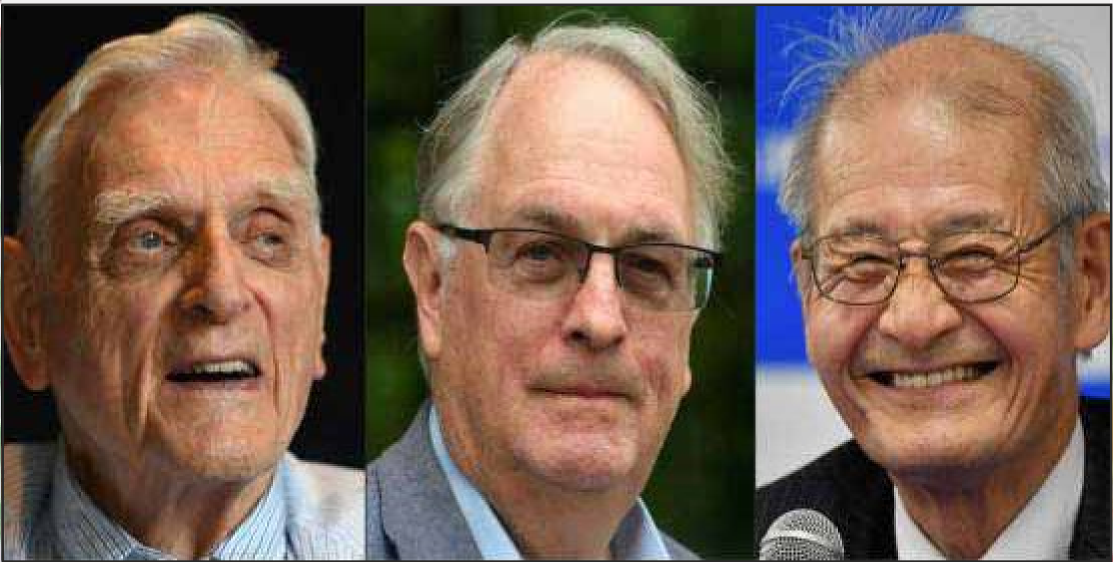

2019 کیمیا (Chemistry) کا نوبیل انعام: جان بی گڈ انف، ایم اسٹینلی وٹینگھم، اکیرا یوشینو

واقع ہوگی اس طرح ان برقی خانوں کے استعمال سے انسانیت کو فائدہ ہوگا۔

2018 اور 2019 ادب (Literature) کا نوبیل انعام: گذشتہ برس 2018 میں ادب کے نوبیل انعام کا اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ اس مرتبہ گذشتہ سال اور جاری سال کے ادب کے نوبیل انعام کا اعلان کیا گیا ہے۔ 2018 کے ادب کا نوبیل انعام اولگا تو کارزک (Olga Tokarczuk) کو دیا گیا یہ پولینڈ کی ادیبہ ہیں۔ انھیں 2018 کا مین بوکر پرائز (Man Booker Prize) بھی دیا گیا۔ یہ پندرہویں خاتون ہیں جنھیں ادب کا نوبیل انعام دیا گیا۔

2019 ادب کا نوبیل انعام آسٹریا کے ڈراما نویس اور ناول نگار پیٹر ہانڈ کے (Peter Handlee) کو دیا گیا۔

2019 امن (Peace) کا نوبیل انعام: یہ انعام ایتھوپیا کے وزیر اعظم ابی احمد علی (Abiy Ahmed Ali) کو دیا گیا۔ انھیں امن قائم کرنے اور بین الاقوامی تعلقات میں بہتری پیدا کرنے کے لیے اور سرحدی ملک اریٹیریا (Eritrea) کے ساتھ قدیمی سرحدی تنازعے کے حل کے لیے فیصلہ کن پیش قدمی کرنے پر دیا گیا ہے۔

اس مرتبہ کل 301 ناموں کا نوبیل انعام کے لیے نامزد کیا گیا تھا جن میں 223 شخصیات اور 78 تنظیموں کے نام تھے۔

2019 معاشیات (Economics) نوبیل انعام: یہ انعام مشترکہ طور پر تین ماہرین معاشیات کو دیا گیا:

(1) ابھیجیت بنرجی، یہ ہندوستانی نژاد ہیں، 21 فروری 1961 میں کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ فی الحال امریکہ میں مقیم ہیں۔ معاشیات نوبیل انعام 21 سال بعد کسی ہندوستانی نژاد کو دیا گیا۔

(2) ایستھر ڈفلو (Esther Duflo)، یہ ابھیجیت بنرجی کی اہلیہ ہیں اور فرینچ امریکی ماہر معاشیات ہیں۔

(3) مائیکل کریمر (Michael Kremer)، یہ امریکی ماہر معاشیات ہیں۔

یہ انعام انھیں عالمی غربت کے خاتمے کے لیے ان کے تجرباتی طریقۂ کار کے لیے دیا گیا۔

چندر شیکھر وینکٹ رمن، ہرگوبند کھورانا، مدر ٹریسا، سبرمنین چندر شیکھر، پروفیسر امرتیہ سین، وینکٹ رمن راما کرشنن اور کیلاش ستیارتھی نوبیل انعام یافتہ ہندوستانی شخصیات ہیں۔

ان کے علاوہ یہ اشخاص ایسے ہیں جو نوبیل انعام کے وقت ہندوستان میں مقیم تھے یا ہندوستان سے ان کا کچھ نہ کچھ تعلق رہا ہے:

(i) رونالڈ روس: 1902 میں ملیریا کے خلاف کام کے لیے طب کا نوبیل انعام دیا گیا۔

(ii) رڈیارڈ کپلنگ: 1907 میں ادب کا نوبیل انعام دیا گیا۔

(iii) دلائی لاما 14th 1989 میں امن کا نوبیل انعام دیا گیا۔

(iv) وی ایس بائیال : 2001 میں ادب کا نوبیل انعام دیا گیا۔

(v) ابھجیت بنرجی: ہندوستانی نژاد ہیں۔ 2019 معاشیات کا نوبیل انعام دیا گیا۔

نوبیل انعام کے چند دلچسپ حقائق

(i) ہر نوبیل انعام یافتہ شخص کو نوبیل انعام میں مندرجہ ذیل چیزیں دی جاتی ہیں:

- ایک سونے کا تمغہ، اس کے ایک طرف الفریڈ نوبیل کی تصویر اور دوسری طرف نوبیل فاؤنڈیشن کی تصویر ہوتی ہے۔
- ایک نوبیل ڈیلومہ، اور
- 9 ملین (90 لاکھ) سویڈش کرونا کا نقد انعام، ایک ہی زمرے میں ایک سے زیادہ اشخاص کو نوبیل انعام دیے جانے پر یہ رقم انعام یافتہ اشخاص میں تقسیم ہوتی ہے۔

(ii) امن کا نوبیل انعام وہ واحد نوبیل انعام ہے جو کسی شخصیت کے علاوہ کسی تنظیم یا ادارے کو بھی دیا جاسکتا ہے۔

(iii) ملالہ یوسف زئی (پاکستان) نوبیل انعام حاصل کرنے والی سب سے کم عمر شخصیت ہے۔ انھیں 2014 کا امن نوبیل انعام دیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر 17 سال تھی۔

(iv) جان بی گڈ انف نوبیل انعام حاصل کرنے والے سب سے عمر رسیدہ شخصیت ہیں۔ انھیں 2019 کیمیا و نوبیل انعام سے نوازا گیا۔ اس وقت ان کی عمر 97 سال ہے۔

(v) اب تک دو اشخاص نے نوبیل انعام لینے سے انکار کیا ہے۔

- 1973، جین پال سارترے (Jean Paul Sartre) جنھیں ادب کا نوبل انعام دیا جانا تھا۔ ان کا تعلق فرانس سے ہے۔
- 1973، لے دوک تھو (Le Duc Tho) جنھیں امن کا نوبیل انعام دیا جانا تھا۔ ان کا تعلق ویتنام سے ہے۔

(vi) اب تک چار اشخاص کو دو نوبیل انعام سے سرفراز کیا جاچکا ہے۔

1۔ میری کیوری (Marie Curie): 1930 میں طبیعات اور 1911 میں کیمیا کا نوبیل انعام

2۔ لینس پالنگ (Linus Pauling): 1954 میں کیمیا اور 1962 میں امن کا نوبیل انعام

3۔ جان بارڈین (John Bardeen): 1956 اور 1972 میں طبیعات کا نوبیل انعام

4۔ فریڈرک سینگر (Frederick Sanger): 1958 اور 1980 میں کیمیا کا وبی انعام۔

(vii) اب تک چار افراد ایسے گزرے ہیں جنھیں حکومت یا حکام کی جانب سے جبراً نوبیل انعام لینے سے انکار کرایا گیا۔ اڈولف ہٹلر نے جرمنی کے تین افراد ریچرڈ کن (Richard Khun)، اڈولف بٹے نانڈٹ (Adolf Butenandt) اور گیر ہارڈ ڈوماگ (Gerhard Domagk) کو نوبیل انعام لینے سے منع کر دیا۔

1958 میں بورس پاسٹرنیک (Boris Pasternak) کو ادب کا نوبیل انعام دیا گیا۔ ابتدا میں انھوں نے اس

کو قبول کرلیا لیکن بعد میں ان کے ملک سویت یونین کے حکام نے انھیں نوبیل انعام لینے سے انکار کرنے کے لیے مجبور کیا۔

(viii) نوبیل انعام بعد از مرگ نہیں دیے جاتے لیکن اگر ناموں کے اعلان کے بعد کسی فرد کا انتقال ہوتا ہے تو نوبیل انعام دیا جاتا ہے۔ایسا دو مرتبہ ہو چکا ہے۔

1۔ ارک ایکسل کاری فیلڈ (Erik Axel Karlfeldt) جنھیں 1931، ادب کا نوبیل انعام دیا گیا۔

2۔ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل Dag Hammarskjöl جنھیں 1961 امن کا نوبیل انعام دیا گیا۔

(ix) کیوری خاندان کو نوبیل انعام خاندان کہا جاتا ہے۔ کیوری خاندان کو 5 نوبیل انعام دیے گئے۔ میری کیوری کو دو مرتبہ، ان کے شوہر کو، ان کی ایک بیٹی کو اور ان کی ایک بیٹی کے شوہر کو نوبیل انعام سے سرفراز کیا جا چکا ہے۔

(x) اب تک تین افراد ایسے ہیں جو نوبیل انعام کے وقت حراست میں تھے:

1۔ جرمن صحافی کارل ون (Carl Von Ossietzky)

2۔ برما کی سیاست داں آنگ سان سوکی (Aung Sansu Kyi)

3۔ چین کے لیوزیابو (Liu Xiaobo) جو حقوق انسانی کے لیے کام کرتے ہیں۔

(xi) جنگ عظیم اوّل (1914-1918) اور جنگ عظیم دوم (1939-1945) کے درمیان نوبیل انعامات نہیں دیے گئے اور کل 49 مرتبہ یہ انعامات نہیں دیے گئے۔

(xii) سال گذشتہ 2018 میں ادب کا نوبیل انعام نہیں دیا گیا تھا جس کا اعلان بھی اسی سال کیا گیا۔

(xiii) ریڈکراس تنظیم کو بالترتیب 1917، 1944 اور 1963، امن نوبیل انعام دیا گیا ہے اور اس تنظیم کے بانی ہنری ڈونٹ (Henry Dunant) کو 1901 میں پہلے امن نوبیل انعام سے سرفراز کیا گیا تھا۔

(xiv) اقوام متحدہ کے مہاجرین کے ہائی کمشنر (UNHCR) کو دو مرتبہ 1954 اور 1981 میں امن نوبیل انعام دیا گیا۔

(xv) 2018 طبیعات نوبیل انعام ڈونا اسٹرک لینڈ (Donna Strickland) کو دیا گیا تھا جو کہ 55 سال بعد کسی خاتون کو طبیعات کے نوبیل انعام سے سرفراز کیا گیا۔ اس سے پہلے 1963 میں ماریہ میئر (Maria G. Mayer) کو طبیعیات میں نوبیل انعام دیا گیا تھا۔

(xvi) 1901 سے 2019 تک، نوبیل انعام 53 مرتبہ خواتین و دیا گیا۔

(xvii) 1901 سے 2019 تک، نوبیل انعام 597 مرتبہ دیا گیا۔ کل 919 منفرد افراد اور 24 امنفر دتنظیموں کو نوبیل انعامات دیے گئے۔

■

Anas Ansari
House No 16, Survey No. 374, Madina Park
Near Masood Masjid, Firdos Nagar
Dhule - 424001 (Maharashtra)

مومن فیاض احمد غلام مصطفی

امتحان کیسے دیں

اس مضمون "امتحان کیسے دیں؟" کے ذریعے بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ امتحان میں پرچہ کس طرح سے لکھا جائے۔ ایک اندازہ لگائیے کہ اساتذہ پورے سال بڑی محنت سے اپنے طلبہ کو پڑھاتے ہیں۔ طلبہ بھی پورے سال پڑھائی کرتے ہیں۔ اس کی تیاری کے لیے سال میں 10 سے 11 ماہ ملتے ہیں۔ نصاب مکمل کرنے، سال بھر اسکول جانے، پڑھائی مکمل کرنے، سب کچھ یاد ہونے کے باوجود زیادہ تر طلبہ پرچہ صحیح طور پر لکھ نہیں پاتے یا صحیح طور پر لکھ نہیں سکتے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ہر فرد میں ہر طلبہ میں بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ اپنی فنی صلاحیتوں کا، اپنے اندر موجود خوبیوں کا استعمال کرتے ہوئے پرچے کو کچھ اس طرح سے پیش کریں کہ آپ کا شمار زیادہ سے زیادہ نمبرات حاصل کرنے والوں میں ہو جائے۔ اس اسکیل میں سب سے پہلے یہ چیز آتی ہے کہ آپ کو اپنے پرچہ کا خاکہ بنانا آنا چاہیے۔ آپ کا جوابی پرچہ اچھا دکھنا چاہیے۔ تاکہ ممتحن جو آپ کے پرچے کی جانچ کرتا ہے تو آپ کو چاہیے کہ اپنے پرچے کو اس طرح سے پیش کریں کہ وہ آپ کے پرچے سے متاثر ہو کر آپ کو زیادہ مارکس دینے پر مجبور ہو جائے کہ اس طالب علم نے کیا زبردست طریقے سے پرچہ حل کیا ہے۔ جب آپ کا پرچہ ممتحن کے سامنے جانچنے کے لیے جاتا ہے تو اس وقت آپ وہاں موجود نہیں ہوتے ہیں۔ آپ کی تصویر اس کے سامنے نہیں ہوتی ہے۔ آپ کی محنت اس کے سامنے نہیں ہوتی ہے۔ آپ کتنے ذہین ہیں اس کو معلوم نہیں ہوتا ہے۔ آپ کی جماعت میں کیا پوزیشن ہے اس کا علم اسے نہیں ہوتا ہے۔ آپ کی محنت کا ثبوت صرف یہی ہوتا ہے کہ

آپ نے پرچے کو کتنے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔آپ کے پرچے کی پیش کش دلکش ہو تا کہ ممتحن متاثر ہوکر اچھے مارکس دے اور یہ اچھے مارکس کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیمی کامیابی کا سلسلہ جاری رہے۔آپ کے اچھے مارکس کی بدولت آپ کو اچھے اور آپ کے من پسند کالج میں داخلہ ملے اور آپ اپنی محنت سے اچھی اور بڑی سے بڑی ڈگری حاصل کریں۔اپنے سماج کے لیے اپنی قوم کے لیے کارآمد بنیں۔

بہت سے طلبہ پرچہ اس طرح سے لکھتے ہیں کہ خود ان کو ہی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا لکھا ہے۔جب اس کو اپنا پرچہ خود سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو ممتحن کو کیسے سمجھ میں آئے گا۔پرچہ اچھا اور صاف ستھرا ہو۔اب اس کا مطلب یہ نا سمجھیں کہ پرچے کو خالی واپس کر دیا جائے۔صاف ستھرا لکھا ہوا ہو۔مناسب سرخی دیجیے۔مناسب سرخیوں کے ساتھ ساتھ جہاں ضروری ہو ضمنی سرخی بھی لگائیے۔بہت سے طلبہ ایسے ہوتے ہیں جو پرچے کا صرف درمیان کا حصہ ہی استعمال کرتے ہیں۔دائیں بائیں زیادہ خالی جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ممتحن کو بہت سی باتوں کا علم رہتا ہے کہ فلاں طلبہ نے زبردستی زائد صفحات (سپلیمنٹ) کا استعمال کیا ہے۔یہ اپنے آپ کو ظاہر کررہا ہے کہ وہ بہت لائق ہے کیونکہ اس نے سپلیمنٹ کا زیادہ استعمال کیا ہے۔جن طلبہ کے پاس مواد زیادہ ہوتا ہے وہ پرچے کو ہمیشہ ایک بازو سے ہی حاشیہ وغیرہ بنا کر لکھتے ہیں۔جو حاشیہ انھوں نے بنایا ہے اس کے بعد اب جتنا حصہ بچا ہے اس کا وہ بھرپور استعمال کرتے ہیں۔تمام طلبہ کو چاہیے کہ مکمل طور سے صفحے کو پر کریں۔جو سوال پوچھا گیا ہے اس کا مناسب جواب دیں۔جب پرچہ ممتحن کے پاس جانچنے کے لیے جاتا ہے تو انھیں ایک نمونہ کا جوابی پرچہ بھی دیا جاتا ہے۔وہ دیکھتا ہے کہ طلبہ نے اس کے مطابق پرچہ حل کیا ہے یا نہیں اور وہ اسی مناسبت سے مارکس دیتا ہے۔سوال کی مناسبت سے ہی اس کے مراحل لکھیے۔جہاں ضروری ہو اشکال بنائیے۔اپنے جواب کو خط کشیدہ یا چوکون میں لکھیے۔ہر نیا سوال نئے صفحے سے شروع کریں۔ضمنی سوالات کو تسلسل کے ساتھ لکھنے کی کوشش کریں۔اگر کسی سوال کا حل نہیں معلوم ہے تو اس کو بعد میں حل کرنے کے لیے اندازاً مناسب جگہ چھوڑ دیں۔صفائی کا بہت خیال رکھیں۔کانٹ چھانٹ سے پرہیز کریں۔ضابطے وغیرہ صحیح لکھیے۔کیونکہ حساب میں ہر نکتہ پر مارکس ہوتے ہیں۔اگر کوئی جواب یا حل پورا نہ آتا ہو تب بھی جتنا آتا ہے، اتنا ضرور لکھیں۔ہر سوال کو لکھ کر حل کرنے کی کوشش کریں اس سے آپ کو وقت کا اندازہ ہو جائے گا۔یہ ایک طرح سے آپ کا ٹائم مینجمینٹ ہوگا۔آپ کی اس عادت سے امتحان میں مقررہ وقت میں سوال حل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

جب بھی مختصر یا طویل جواب مکمل ہو جائے تو ایک لائن ضرور کھینچ لیں تا کہ ممتحن کو یہ سمجھ میں آجائے کہ اس سوال کا جواب یہاں پر مکمل ہو چکا ہے۔غیر ضروری خالی جگہ نہ چھوڑیں۔مشاہدے میں یہ بات آئی کہ جب جواب مکمل ہو جاتا ہے تو بہت سے طلبہ نیچے کا پورا خالی صفحہ ویسے ہی چھوڑ دیتے ہیں اور ضمنی سوالات کو بھی نئے صفحے سے لکھتے ہیں۔ممتحن اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ممتحن کے لیے آسانی پیدا کریں اگر کوئی چیز چھوٹ گئی ہے اور آپ کو اسے کہیں اور لکھنا ہے تو اس کی صحیح طرح سے نشان دہی کریں۔اگر کوئی جواب غلط ہو گیا ہے تو اس کو صرف ایک لائن کھینچ کر واضح

کریں۔لکھنے میں غلطی ہوسکتی ہے۔عموماً غلطیاں ان طلبہ سے ہوتی ہیں جنھوں نے وقت پر تیاری نہیں کی، اسکول سے غیر حاضر رہے۔ وقت پر ٹیسٹ نہیں دیا۔اسکولوں میں ہونے والے پریلمنری امتحان کو اہمیت نہیں دی۔ پرچوں کی تیاری منصوبہ بند طریقے سے نہیں کی۔ بہت سے طلبہ تو ایسے ہوتے ہیں جو پڑھ تو بہت سارا لیتے ہیں لیکن لکھنے کی مشق نہیں کرتے۔جو طلبہ بار بار پریکٹس کرتے ہیں۔ وقت کی منصوبہ بندی کے ساتھ لکھ لکھ کر پرچے کو حل کرتے ہیں ایسے طلبہ کے لیے بورڈ کا پرچہ بہت ہی آسان ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے معلمین کو ایسا بتاتے ہیں کہ ہم تو سوچ کر گئے تھے کہ پرچہ بہت مشکل ہو گا یہ تو بہت آسان نکلا۔ اصل میں یہ ان کے لیے آسان نہیں تھا۔ وہ اتنی مرتبہ اس کی مشق کر چکا تھا اتنی پریکٹس کر چکا تھا کہ اس کا پرچہ بہت آسان ہو گیا۔لہٰذا طلبہ کو چاہیے کہ نہ صرف بورڈ کے پرچے میں بلکہ ہمیشہ سے یہ عادت بنا لیں اور اپنا پرچہ حل کرنے بعد اسے دوبارہ پڑھا کریں کہ میں نے کیا کیا ہے؟ اس سوال میں کیا تھا اور میں نے کیسے حل کیا ہے؟ اس سے اپنی غلطی کا پتہ تو چلے گا، ساتھ ہی آپ خود احتسابی بھی کر سکیں گے، اپنے آپ کو جانچ سکیں گے۔اپنی پوزیشن کا اندازہ بھی لگا سکیں گے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح بھی کر سکیں گے۔جب آپ اپنی غلطیاں خود سے درست کرنے لگیں تو دوسرے بھی آپ کی غلطیاں کم ہی نکالیں گے۔ اس طرح آپ زیادہ مارکس حاصل کرنے والے طلبہ میں شامل ہو جائیں گے۔اسی طرح سے آپ جو بھی قلم امتحان میں استعمال کرنے والے ہیں، چاہے وہ آپ کی انک پین ہو، بال پین ہو یا کسی بھی قسم کی پین ہو جسے آپ سال بھر گھر کے کام کے لیے، کلاس ورک کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اسی قلم کو امتحان کے دوران بھی استعمال کریں جس سے آپ کو اسی قلم کی عادت بنی رہے گی اور آپ بورڈ کے پرچے بڑے اچھے انداز سے پیش کر سکتے ہیں۔امتحان میں جانے سے قبل اپنا پورا سامان اچھے سے چیک کر لیں۔ہال ٹکٹ، کمپاس بکس، قلم، پنسل، ربر وغیرہ پہلے سے ہی رکھ لیں۔ پرچہ جب حل کریں اس کی پیش کش اچھے سے ہو۔ اپنے ممتحن کے لیے، ماڈریٹر کے لیے آسانی پیدا کریں۔فیل ہونے والے طلبہ ایسا کام کرتے ہیں کہ وہ فیل ہوجاتے ہیں۔پاس ہونے والے طلبہ کام ایسا کرتے ہیں کہ وہ پاس ہو جاتے ہیں۔ٹاپ کرنے والے طلبہ ایسا کام کرتے ہیں کہ وہ ٹاپ کی پوزیشن پر پہنچ جاتے ہیں۔آپ کی کامیابی نہ صرف آپ کو بلکہ آپ کے والدین ،سرپرستوں ، آپ کے محلے ،آپ کے شہر کے آپ کے اساتذہ اور سب سے اہم یہ کہ آپ کے اسکول کو بہت اونچے مقام پر لے جاتی ہے۔ جو طلبہ محنت نہیں کرتے ہیں ان کے لیے ابھی بھی وقت ہے، اس وقت کا صحیح طور سے استعمال کریں۔ایک خاص ٹائم مینجمنٹ کے ساتھ پرچہ کو لکھ کر حل کرنے کی کوشش کریں تاکہ نمایاں کامیابی انہیں بھی حاصل ہو جائے۔ دھیان رہے کہ کوئی طالب علم کمزور نہیں ہوتا۔اگر وہ وقت کی مناسب منصوبہ بندی کے ساتھ اپنی پڑھائی کرے گا تو وہ ضرور کامیاب ہوگا۔

■

Momin Fayyaz Ahmad Ghulam Mustafa
Educational & Carrier Counselor
Samdia High School & Junior College
Bhiwandi (Maharashtra)

ڈیل کارنیگی

مضمون

الیگزینڈر ڈوما

اس نے بارہ سو کتابیں لکھیں اور اس بات پر فخر کرتا تھا کہ وہ پانچ سو بچوں کا باپ ہے۔

سب سے زیادہ ہر دلعزیز مہم جوئی کی کہانی کون سی ہے؟ ''رابنسن کروسو؟'' وون کنجوتے؟'' ''خزانے کا جزیرہ؟'' فطرتاً اس بارے میں ہم مختلف آرا رکھتے ہیں، لیکن میں صرف 'تین بندوقچی' کے حق میں ووٹ ڈالوں گا۔

'تین بندوقچی' کا شمار تقریباً ایک صدی سے سب سے زیادہ فروخت کی جانے والی کتابوں میں ہے۔ اس وقت بھی سیکڑوں لوگ درجنوں مختلف زبانوں میں اس ناول کو پڑھ رہے ہوں گے۔

ناول نویسوں میں 'تین بندوقچی' کا مصنف الیگزینڈر ڈوما ایک عجوبے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے یہ شیخی بگھارنے میں بڑا لطف آتا تھا کہ وہ پانچ سو سے زیادہ بچوں کا باپ تھا۔

ڈوما کی شکل وصورت بھی عجیب سی تھی۔ اس کی رگوں میں تین چوتھائی خون گوروں کا تھا جبکہ ایک چوتھائی حبشیوں کا۔ اس کی دادی جزائر غرب الہند میں گنے کے ایک فارم پر حبشن باندی کی حیثیت سے رہتی تھی۔ اس کا نام میری ڈوما تھا۔ اس غریب اور جاہل عورت نے گمنام زندگی گزاری اور ایسے ہی انتقال کیا۔ اس بے چاری نے کبھی خواب میں بھی یہ نہ سوچا ہوگا کہ اس کے پوتے کی حکمراں اور شاعر اور امرا عزت وتکریم کریں گے اور وہ اس کا نام ساری دنیا میں روشن کرے گا۔

ڈوما اپنی حبشن دادی سے خاصا مشابہ تھا۔ یوں تو اس کا رنگ گورا تھا اور آنکھیں نیلی تھیں مگر اس کے ہونٹ موٹے اور نتھنے چپٹے اور چوڑے تھے۔

اس نے تلواروں اور پستولوں سے مسلح ہو کر بیس دفعہ ڈوئل لڑے، اس کے بال ویسے تو گیندے کی طرح زرد تھے لیکن بالکل اپنی حبشن دادی جیسے تھے یعنی گھنے اور گھونگھریالے تھے۔

خوش خوراک ہونے کی وجہ سے وہ ہر قسم کی چٹنی تیار کرنے یا مرغ وغیرہ بھوننے میں اتنا ہی مشہور تھا جتنا ناول لکھنے کی اہلیت میں۔ وہ بیک وقت مچھلی کی کئی پلیٹیں، کئی بھنے

ہوئے تیتر، نصف درجن کے قریب مختلف سبزیاں اور بہت سا پنیر کھا جاتا تھا۔ جب وہ کھانے پر آتا تو اس قدر کھاتا کہ مشہور زمانہ پیٹو، سمارک اسے دیکھ لیتا تو شرمندہ ہو جاتا۔ لیکن اپنی اس انتہا کے باوجود نہ تو اس نے کبھی شراب یا کافی چکھی اور نہ ہی کبھی سگریٹ پی تھی۔ جب وہ لکھنے میں مصروف ہوتا تو اسے کھانے کی پرواہ بھی نہ ہوتی۔ بعض اوقات تو کھانا کھانا بھی بھول جاتا۔ جب وہ کام میں مصروف ہوتا اور کوئی دوست ملنے آ جاتا تو وہ صرف اپنا بایاں ہاتھ اٹھا کر اسے خوش آمدید کہتا اور پھر لکھنے میں مشغول ہو جاتا۔

لیکن وہ جس قسم کا کاغذ اور قلم استعمال کرتا تھا اس کے متعلق انتہائی جذباتی ہوتا مثلاً وہ ناول صرف نیلے کاغذ پر اور خاص قلم سے لکھا کرتا تھا۔ شعر لکھتے ہوئے وہ زرد کاغذ اور مختلف قسم کے قلم استعمال میں لاتا۔ کسی رسالے کے لیے مضمون لکھتے ہوئے وہ گلابی کاغذ کے سوا اور کوئی کاغذ استعمال نہ کرتا۔ اور حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں، اس نے کبھی نیلی سیاہی استعمال نہیں کی تھی۔ اسے نیلی سیاہی سے چڑ تھی۔ اس نے کبھی میز پر بیٹھ کر ڈرامہ نہ لکھا تھا۔ ڈرامہ لکھنے کے لیے وہ صوفے پر دراز ہو جاتا اور اپنی کہنی کے نیچے نرم تکیے رکھ لیتا۔

سب واہیات؟ جی ہاں!! لیکن اس سے قبل کہ آپ اس پر ہنسیں، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس نے زندگی میں کیا کیا کِیا؟ اس نے کوئی ایک سو ڈرامے، اتنے ہی ناول اور تاریخی کتابیں لکھیں۔ آج جب اس کی تمام تخلیقات جمع کی گئیں تو وہ بارہ سو جلدیں بنیں۔ ذرا سوچیں! بارہ سو جلدیں۔ اگر جون گالزوروی، جارج برنارڈ شا، رابرٹ لیوس اسٹیونسن، ایچ جی ویلز، رڈیارڈ کپلنگ، میری روبرٹس، اینی ہارٹ اور زین گرے کی تخلیقات اکٹھی کر لی جائیں تو پھر بھی ڈوما نے ان سب سے دوگنا لکھا ہے۔

اس نے دس لاکھ پونڈ سے زیادہ کمائے۔ اپنے دور کے ہر مصنف سے زیادہ۔ حقیقت میں ادبی تاریخ میں شاید ہی کسی مصنف نے اپنی نگارشات سے اتنا پیسہ کمایا ہو۔ اس کے باوجود وہ اس قدر غریب تھا کہ جب اس کا پہلا ڈرامہ اسٹیج پر چلنے والا تھا تو اس کے پاس اتنے روپے بھی نہیں تھے کہ وہ اپنی قمیض کا نیا کالر خرید کر اپنی زندگی کے سب سے بڑے واقعے میں شریک ہو سکے۔

اس کیم شحیم دیو کو اپنی ماں سے بڑا پیار تھا۔ اس کا پہلا ڈرامہ اسٹیج ہونے سے تین دن قبل اس کی ماں کو فالج ہو گیا۔ چنانچہ پیرس میں اپنی عظیم کامیابی کی پہلی رات کے موقعے پر ڈوما اپنے ڈرامے کے ہر ایکٹ کے اختتام پر بھاگم بھاگ اپنی ماں کے پاس جاتا اور اس سے پوچھتا کہ اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں اور اس رات جبکہ سارے پیرس میں اس کا نام مشہور ہو چکا تھا وہ ایک چٹائی پر اپنی ماں کے قدموں میں سویا تھا۔

ڈوما کے ناولوں کا کردار اس کے نزدیک بڑا حقیقی تھا۔ وہ ان کے خواب دیکھتا اور ان کے بارے میں اس طرح باتیں کرتا جیسے وہ بالکل حقیقت ہوں۔ وہ ان کے بارے میں ایسے شوق سے لکھتا کہ آج ایک سو سال کے بعد بھی وہ آپ کو مسحور کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات کردار نگاری کرتے وقت وہ اپنی کہانی میں اس قدر محو ہو جاتا کہ بلند آواز میں قہقہے لگاتا اور اپنے کرداروں سے اس طرح مذاق کرنے لگتا جس طرح وہ اس کے اردگرد بیٹھے ہوں۔ بہت سارے مصنّفین کے لیے

لکھنے کا عمل تکلیف دہ ہوتا ہے مگر ڈوما کے ساتھ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اسے لکھنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔

وہ ایک مشتاق سیاح تھا۔ اس نے سارا یورپ گھوما تھا۔ اس نے ایک ہی وقت میں پانچ ناول شروع کرر کھے تھے اور یہ روزانہ قسط وار اخبارات میں شائع ہوتے تھے۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنی کتابیں پڑھ سکے۔ لیکن اس کے پاس اتنا وقت ضرور تھا کہ وہ تلواروں اور پستولوں سے بیس ڈوئل لڑ سکے۔

لوگ اس کی دولت لوٹ کر اسے چھوڑ کر چلے جاتے۔ ڈوما نے اپنا بڑھاپا مفلسی اور تنہائی میں گزارا۔ یہاں تک نوبت آن پہنچی کہ مکان کا کرایہ ادا کرنے کے لیے اسے اپنے زیورات حتیٰ کہ اپنا اوور کوٹ بھی گروی رکھنا پڑا۔ اگر اس کا بیٹا اس کی مدد نہ کرتا تو اسے بھوکوں مرنا پڑتا۔ موت سے تھوڑی دیر قبل اس کے بیٹے نے دیکھا کہ وہ اپنا مشہور ناول 'تین بندوقچی' پڑھ رہا تھا۔ اس کے بیٹے نے اس سے پوچھا ''ابا آپ کو یہ ناول کیسا لگ رہا ہے؟'' ''اچھا ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔ اچھا ہے؟ میں بھی یہی کہوں گا۔ اگر آپ تفریح طبع کے خواہشمند ہیں تو یہ ناول پڑھیں۔ اس کے ناول کے بعد آج تک لاکھوں ناول لکھے گئے ہیں لیکن وہ سب اس کے سامنے ماند پڑ گئے ہیں۔ 'تین بندوقچی' ایک لافانی ناول ہے۔ آج سے دوسو سال کے بعد بھی آپ کے بچوں کے بچے، پھر ان کے بچے رات کی خاموشی میں بڑے مزے سے یہ ناول پڑھ رہے ہوں گے۔

■

ماخذ: مانیں نہ مانیں: ڈیل کارنیگی

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر......................... بتاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: SYNB0009009 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

عبدالغنی شیخ

ہماری دنیا

پہلے پہل انسان جب دنیا میں آیا تو صرف اس کا وجود تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی عقل، ذہانت اور محنت سے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ شروع میں انسان غاروں میں رہتا تھا۔ جانوروں کا کچا گوشت کھاتا تھا اور درختوں کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانپتا تھا۔ پھر اس نے شکار کے لیے لوہے کے اوزار بنائے۔ رہنے کے لیے مکان تعمیر کیے اور اپنے تن کو چھپانے کے لیے کپڑے بُنے۔ پچھلے کئی ہزار سال میں انسان نے ترقی کے اہم زینے طے کیے ج سے اس کی زندگی خوشگوار اور آرام دہ ہوگئی ہے۔

آج دنیا کے سارے ملکوں میں مختلف قسموں کے اجناس، پھل پھول، پیڑ پودے اور مال مویشی پائے جاتے ہیں۔ پہلے یہ ساری چیزیں ایک ملک یا خطے میں پائی نہیں جاتی تھیں بلکہ مختلف ادوار میں یہ ایک ملک یا خطے سے دوسرے ملک اور خطے میں لے جائی گئیں۔ مثلاً جنگل کے کانٹے دار پھولوں، پھلوں اور جھاڑیوں کی طرح چاول، گنا اور گیہوں بھی خودرو تھے۔ چنانچہ ساڑھے تین ہزار سال پہلے تھائی لینڈ میں چاول اگائے بغیر پیدا ہوتا تھا۔ جہاں سے اس کے بیج دنیا کے مختلف خطوں میں لے جائے گئے۔ آج چاول دنیا کے بہت سارے ملکوں میں پیدا ہوتا ہے۔

پہلے پہل اہل عرب چین سے چاول یورپ لائے تھے۔

اسی طرح اہل عرب نے پہلے پہل اسپین کو گنّے کی کھیتی سکھائی جہاں سے کولمبس اسے اپنے ساتھ امریکہ لے گیا۔

شروع شروع میں گیہوں کی کاشت مصر اور عراق میں ہوتی تھی۔ آج لگ بھگ دنیا کے تمام ملکوں میں گیہوں پیدا ہوتا ہے۔ امریکہ اس وقت چاول اور گندم پیدا کرنے والے ملکوں میں پیش پیش ہے اور بہت سارے ملکوں کو برآمد کرتا ہے۔ چند صدیاں پہلے امریکہ گندم اور چاول کے نام سے انجان تھا۔ پندرہویں صدی میں امریکہ کی دریافت کے بعد وہاں ان دو اجناس کے علاوہ مرغیاں، بھیڑ، بکریاں اور گھوڑے لے جائے گئے اور ان کی افزائش ہونے لگی۔

جس طرح دنیا نے امریکہ کو چاول اور گیہوں دیے، اسی طرح امریکہ نے دنیا کو مکّی، آلو، ٹماٹر اور تمباکو دیے۔ ہندوستان نے امریکہ کو کیلا دیا اور امریکہ نے ہندوستان کو اناناس دیا۔

مکی شروع میں پانچ اور چھ ہزار سال قبل مسیح کے درمیان میکسیکو میں اگائی جاتی تھی، جہاں سے یہ امریکہ پہنچی ہوگی۔ کولمبس کی آمد تک مکی امریکہ کی سب سے بڑی پیداوار تھی۔ اسی طرح آلو بھی شروع میں جنوبی امریکہ میں پیدا ہوتا تھا، جہاں اسے پاپا کہا جاتا تھا۔

شروع میں جب آلو امریکہ سے یورپ پہنچا تو بہت سارے لوگوں نے اسے پسند نہیں کیا۔ بلقان کے کسان انیسویں صدی تک آلو کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ وہ اسے ’زیر زمین چھپی ہوئی منحوس خوراک‘ کہتے تھے۔

جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک اعظم نے 1774 میں جب لوگوں کو آلو اگانے کی ترغیب دی تو کولبرگ کے لوگوں نے کہا

’’آلو میں بو ہے نا ذائقہ، کتے بھی اسے نہیں کھائیں گے۔‘‘

’’آلو روس میں 1830 کے بعد آیا اور اتفاق سے ان دنوں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ لوگوں نے اسے منحوس خیال کیا اور مدت تک آلو کی کاشت نہیں کی۔

کچھ لوگ کہتے تھے کہ انجیل میں آلو کا ذکر نہیں۔ اس لیے وہ اس کے استعمال سے بچا کرتے تھے۔ اس خیال کے لوگ اس بنا پر ٹماٹر بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ ٹماٹر یورپ میں سولہویں صدی میں پہنچا تاہم برسوں تک ٹماٹر غیر مقبول رہا۔

چائے بھی شروع میں خودرو تھی۔ اور چین میں اگتی تھی۔ ایک دفعہ حسن اتفاق سے چائے کی چند پتیاں پانی میں گریں۔ چین کے ایک بادشاہ نے جب ان پتیوں کا ابلا ہوا پانی پیا تو ذائقہ اچھا لگا۔ اس طرح چائے نوشی کی شروعات ہوئی۔

دو ہزار سال قبل مسیح چین میں چائے اگائی جاتی تھی۔ یورپی منڈیوں میں اسے پہنچنے میں تین ہزار سات سو سال لگے۔

کافی پہلے پہل ایتھوپیا میں پیدا ہوتی تھی۔ یورپ کے ملکوں میں یہ سترہویں صدی میں عام ہوئی۔

معدنیات، کوئلہ اور پٹرول کے وسائل کی وجہ سے چند ممالک خوش نصیب ہیں۔ یہ اناج اور پیڑ پودوں کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر اگائے نہیں جا سکتے۔

پرانے زمانے میں دنیا کی آبادی بہت کم تھی۔ اس لیے خوراک کی ضروریات بھی کم تھیں۔ زمین کے رقبے کے لحاظ سے پیداوار کا تناسب آج سے بہت کم تھا۔ دس ہزار اور دو ہزار سال قبل مسیح کے درمیان دنیا کی آبادی پچاس لاکھ اور ایک کروڑ کے درمیان تھی اور زیادہ تر لوگ خانہ بدوش تھے۔

تین سو سال قبل مسیح ہندوستان کی آبادی اندازاً چار کروڑ تھی۔ جبکہ پہلی صدی میں چین کی آبادی چھ کروڑ تھی۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے دوران پہلی صدی میں ساری دنیا کی کل آبادی پندرہ کروڑ سے زیادہ نہیں تھی۔

آج سے تقریباً تین سو سال پہلے امریکہ میں صرف ڈھائی لاکھ لوگ بستے تھے۔ آج امریکہ کی آبادی تیس کروڑ سے زیادہ ہے۔

1798 میں انگلینڈ کی آبادی ایک کروڑ دس لاکھ تھی لیکن لوگوں کو اتنی اچھی خوراک نہیں ملتی تھی جو آج کل وہاں سات کروڑ کی آبادی کو ملتی ہے۔

1660 میں لندن یورپ کا سب سے دولت مند شہر مانا جاتا تھا تاہم خوراک کی قلت کی یہ حالت تھی کہ ہر ڈھائی سو میں سے پچاس آدمی بھوک سے مر جاتے تھے۔

اچھے بیج، کیمیاوی کھاد اور کھیتی باڑی کے جدید طریقوں کی وجہ سے آج اناج کی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ سترہویں صدی میں گندم کے ایک دانے سے چار یا پانچ دانے حاصل ہوتے تھے۔ سائنسی ایجادوں اور طریق کار کو کام میں لا کر آج ایک دانے سے بیس دانے حاصل کیے جاتے ہیں۔

جس طرح اجناس اور مال مویشی دنیا کے ایک خطے سے دوسرے خطے میں پہنچے۔ اسی طرح بیماریاں بھی ایک خطے سے دوسرے خطے میں پہنچیں۔

یورپ میں طاعون سے ہولناک ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ تین سو سال قبل مسیح تک یورپ کا کوئی ملک طاعون کو نہیں جانتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے پہل سکندر اعظم کی فوج یہ بیماری ہندوستان سے بحر روم لائی۔ زمانہ وسطیٰ میں اس سے یورپ کی ایک تہائی آبادی ہلاک ہوئی۔ صرف پولینڈ اکیلا اس سے بچا۔

یورپ کی آبادی کو دوبارہ پھیلنے میں ایک صدی یا اس سے زیادہ مدت لگی۔

1720 میں فرانس کے شہر مارسیلز مین طاعون سے اکثر سرکاری ملازمین اور تقریباً پولیس کے سارے سپاہی ہلاک ہوئے۔ پینتیس طبی سرجنوں میں بتیس اس بیماری کے شکار ہوئے۔

یورپ سے طاعون نے امریکہ کی راہ لی۔

کوڑھ کا مرض فرانس اور انگلینڈ چھٹی صدی میں پہنچا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کوڑھ صلیبی جنگوں کے زمانے میں یورپ پہنچا۔

1648 میں Yellow Faver (یرقان) کی قسم کا ایک متعدی مرض مغربی افریقہ سے امریکہ پہنچا۔ اس بیماری کو ان غلاموں نے امریکہ منتقل کیا جنھیں افریقہ سے ایک سمندری جہاز میں امریکہ لے جایا گیا تھا۔

طاعون کے علاوہ چیچک، ملیریا، ٹائیفائڈ اور ہیضہ نے دنیا میں اَن گنت جانیں لی ہیں۔ ان متعدی امراض سے بستیوں میں دہشت پھیلتی تھی اور بہت سارے لوگ بستیاں چھوڑ کر فرار ہو جاتے تھے۔ سکندر اعظم اور اٹلی کے نامور شاعر دانتے ملیریا اور فرانس کے بادشاہ لوئیس پندرہواں چیچک سے مرگئے۔ کئی مورخوں نے سکندر کی موت کی وجہ کثرت شراب نوشی بتائی ہے۔

آج بھی دنیا میں بہت سارے لوگ ملیریا سے مرتے ہیں۔ چیچک پندرہویں صدی کے بعد یورپ پہنچی۔ اس کے بعد ایشیا کے ممالک اس کی لپیٹ میں آئے۔ ایک مرتبہ ہوائی کے ایک جزیرے میں ایک چیچک زدہ آدمی پہنچا اور جزیرے کی ساٹھ لاکھ آبادی آن کی آن میں اس موذی بیماری کی شکار ہوئی۔

ماضی قریب میں 1976 میں ایتھوپیا میں چیچک پھوٹنے کی خبر ملی۔ تب سے دنیا میں کہیں سے بھی چیچک کی واردات کی کوئی رپورٹ موصول نہیں ہوئی ہے۔ انسان نے اس بیماری کے جراثیم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے۔

پیچش جیسی بیماری سے 1500 سے 1960 تک برازیل کی قدیم نسل کے لوگوں کی آبادی پچیس لاکھ سے گھٹ کر ایک لاکھ رہ گئی۔

ماضی میں چھوت کی بیماریوں، گھٹیا خوراک، ناخواندگی اور اقتصادی بدحالی سے دنیا کے اکثر ملکوں میں لوگ کم عمر پاتے تھے اور جوانی میں مرجاتے تھے حتیٰ کہ انگلینڈ جیسے ملک میں اٹھارویں صدی کے وسط تک لوگوں کی اوسط عمر صرف پینتیس سال تھی۔

آج انسان نے ان متعدی بیماریوں پر لگ بھگ قابو پا لیا ہے اور بہت کم لوگ ان بیماریوں سے مرتے ہیں۔

ایک نئی بیماری ایڈز ہے جس سے پچھلی صدی کے آخری ربع کے دوران دنیا میں بڑا خوف و ہراس پھیلا۔ اس بیماری کا آغاز پچھلی صدی کی آٹھویں دہائی کے دوران افریقہ کے ملک یوگینڈا سے ہوا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایڈز کے جرثومے کا جنم لیبارٹری میں ہوا جس کے لیے سائنس داں ذمے دار ہیں۔

■

Abdul Ghani Sheikh
Yasmin, Airport Road
Leh, Ladakh - 194101 (J&K)

محمد اشرف عظیم آبادی

تو شاہیں ہے...

آئیے شاہین کے متعلق کچھ جانیں..... شاہین ایک شکاری پرندہ ہے جس کا ذکر علامہ اقبال کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔اس حوالے سے ان کے دو مشہور شعر ملاحظہ ہوں۔

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

اقبال کی آرزو ہے کہ ہمارے نوجوان شاہین صفت ہو جائیں۔لہٰذا اس مضمون میں شاہین کی خصوصیات اور اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں (Aspects) کا حیاتیاتی (Biological) جائزہ لیتے ہیں۔

شاہین (Falcon) کا تعلق پرندوں (Aves) کے اسی قبیلے سے ہے جس میں کرگس یعنی گدھ، چیل، عقاب، باز وغیرہ شامل ہیں۔اس قبیلے کا نام Falconiformes ہے۔

شاہین دنیا کے تقریباً سبھی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اس کی 40 انواع (Species) یعنی قسمیں کرۂ ارض پر پائی جاتی ہیں۔عموماً پہاڑوں اور درختوں کی بلند شاخوں پر یہ اپنا مسکن بناتے ہیں۔اور وہ بھی مستقل نہیں بلکہ صحرانوردی اور لمبی پرواز کے ذریعہ مختلف علاقوں کا دورہ کرتے ہیں۔ ایک اندازہ ہے کہ سالانہ یہ 15000 میل (24000km) کی مسافت طے کرتے ہیں۔شاہین اپنی بلند پروازی، عزائم، بصارت، دُور اندیشی اور قوت ارادی کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔

جسمانی خصوصیات

ہمارے ملک میں پایا جانے والا شاہین عموماً ایک کوّے کے برابر ہوتا ہے۔اس کا سائز 22-40cm کے درمیان ہوتا

ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ نر شاہین، مادہ کے مقابلہ میں چھوٹا ہوتا ہے۔

اس کا چہرہ سفید ہوتا ہے۔دونوں گالوں پر سیاہ دھاریاں (Stripes) ہوتی ہیں۔اس کی بڑی بڑی آنکھیں کافی دُور سے اپنا شکار دیکھ لیتی ہیں۔

اس کی نکیلی اور بے حد تیز چونچ پر ایک گڑھا ہوتا ہے۔

جسم عموماً نیلے بھورے رنگ کے پَروں (Feathers) سے ڈھکا ہوتا ہے۔البتہ پیٹ والی سطح پر زرد رنگ کے پر ہوتے ہیں۔

دونوں ڈینے (Wings) لمبے اور نکیلے ہوتے ہیں جن کی پشت پر سیاہ لکیریں ہوتی ہیں۔اس طرح کے ڈینوں سے لمبی پرواز میں مدد ملتی ہے۔دونوں پاؤں کے پنجے (Claws) بے حد تیز ہوتے ہیں۔

دیگر خصوصیات

شاہین تنہائی پسند ہوتا ہے اور دن میں ہی سرگرم (Diurnal) رہتا ہے۔ یہ گوشت خور ہوتا ہے اور عموماً پرواز کے دوران بھی گھات لگا کر اپنے شکار مثلاً چمگادڑ، چڑیا، مینڈک، مچھلی کو اپنی چونچ سے پکڑ لیتا ہے۔

یہ ایک سیکنڈ میں بغیر تھکے چار بار اپنے ڈینوں کو اوپر نیچے (Up and down) کرسکتا ہے۔

اس کے بارے میں مشہور ہے کہ دوسرے جانور کے چھوڑے ہوئے شکار نہیں کھاتا ہے۔

اپنی تیز نگاہی اور بلندی پرواز کے معاملے میں اس کی ایک امتیازی شان ہے۔ اس کے پرواز کی رفتار کبھی کبھی 350km فی گھنٹہ کی رفتار سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

یہ ایک ہی شریک حیات کے ساتھ پوری زندگی گزارتا ہے ۔ نر اور مادہ صرف جُفت اور انڈے سینے کے وقت ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔

دور حیات (Life Cycle)

عام طور پر 2 سال کی عمر سے پہلے شاہین افزائش نسل (Breeding) شروع نہیں کرتے۔

مادہ شاہین کسی پہاڑ کی چٹان یا درخت کے خول کو گھونسلہ کے طور پر استعمال کرتی ہے اور ان میں عموماً موسم بہار میں 15-3 انڈے دیتی ہے۔ان انڈوں کو نر اور مادہ دونوں مل کر سیتے (Incubate) ہیں۔لگ بھگ ایک ماہ تک سینے کے بعد ان انڈوں سے بچے نکلتے ہیں۔یہ بچے شروع میں بے حد ہلکے ہوتے ہیں اور ان کا وزن مشکل سے 50 گرام ہوتا ہے۔ایک ہفتہ میں ان کا وزن بڑھ کر دوگنا ہو جاتا ہے۔اور تین ہفتہ میں ان کا وزن 10 گنا بڑھ جاتا ہے۔ڈیڑھ ماہ کی عمر ہوتے ہوتے یہ بچے اُڑنا بھی شروع کر دیتے ہیں لیکن اپنے والدین سے شکار کرنے کا ہُنر سیکھنے میں مزید وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کم از کم 2 ماہ ضرور ..... بچوں کے پر (Feathers) باضابطہ طور پر 35-20 دنوں میں نکل آتے ہیں۔پوری طرح سے بالغ ہونے میں ان کو 3-2 سال کا وقت لگتا ہے۔ افسوس کہ 70%-60 فیصد بچوں کے نصیب میں بالغ ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی کیونکہ یہ چیل، اُلّو اور دوسرے جانوروں کا لقمہ/شکار بن جاتے ہیں۔

مدت حیات (Life Span)

اس کی مدت حیات لگ بھگ 15 سال کی ہوتی ہے۔

شاہین کے متعلق چند دلچسپ معلومات

★ شاہین کی تیز رفتاری کا مقابلہ اس کرہ ارض پر کوئی اور

جانور نہیں کرسکتا۔

★ زیادہ تر شاہین دنیا کے شمالی حصہ (Northern hemisphere) پر پائے جاتے ہیں۔

★ یہ مکمل طور پر گوشت خور ہوتا ہے اور چھوٹے پرندوں سے لے کر مچھلی، مینڈک، چمگادڑ وغیرہ سبھی اس کی پسندیدہ غذا ہیں۔

★ اپنی تیز نگاہی اور سُرعت کے ساتھ اُڑنے اور ضرورت پڑنے پر سمت میں تبدیلی کے سبب یہ دوران پرواز ہوا یا زمین پر یا پانی سے اپنا شکار پلک جھپکتے اُچک لینے میں ماہر ہوتا ہے۔یعنی بقول اقبال...جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

★ شاہین اپنے شکار کو کافی اونچائی سے دیکھ کر حیرتناک رفتار کے ساتھ غوطہ لگا کر اس کو دبوچ لیتا ہے۔ اندازہ ہے کہ غوطہ لگاتے وقت اسکی رفتا 200km فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

★ قوت بصارت (Eye sight) کے معاملے میں شاہین اور عقاب جیسے پرندے دنیا کے سبھی جانوروں میں سرفہرست ہیں۔ہزاروں فٹ کی بلندی سے بھی زمین پر موجود چوہے کو شاہین دیکھ سکتا ہے اور سکنڈوں میں اس پر اچوک نشانہ لگانے کی مہارت رکھتا ہے۔

★ ماہرین کا خیال ہے کہ شاہین پانچ رنگوں کی شناخت کر سکتے ہیں۔

★ زیادہ تر شاہین اپنی منتخب جگہ پر مستقل طور پر رہنا پسند کرتے ہیں۔خواہ انہیں طویل سفر کی ضرورت ہی کیوں نہ پیش آئے یعنی Home sickness کی خصلت سے دوچار!

شاہین بازی

زمانہ قدیم سے شکار و تفریح کے شوقین بادشاہ، روساء اور وامرا شاہین، عقاب اور باز جیسے پرندوں کا استعمال کرتے رہے ہیں، اس کے لیے وہ ان پرندوں کو سخت تربیتی مرحلے سے گذار کر شکار کے فن میں ماہر بنانے کا کام کرتے ہیں۔ان لوگوں کے لیے یہ اہم تفریح (Sports) ہوتی ہے اور اس کے لیے ایک خاص اصطلاح Falconry (شاہین بازی/شاہین پروری) کا استعمال کیا جاتا ہے۔اس موضوع پر کئی کتابیں موجود ہیں ان میں سب سے قابل ذکر رومن شہنشاہ فریڈرک دوئم کے ذریعہ لاطینی زبان میں لکھی گئی چھ جلدوں پر مشتمل ایک کتاب ہے۔جس کا بعد میں ماہر چشم (پرندوں کی آنکھوں کے محقق) ڈاکٹر البرٹ ووڈ (Albert Wood) اور فائف (Fyfe) نے انگریزی میں ترجمہ کرکے اسے ایک جلد میں مکمل کیا۔اس کتاب کا نام ہے The Art of Falconry (فن شاہین بازی/شاہین پروری)

اس فن کے شوقینوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔مشرق وسطی کے ممالک سے لے کر منگولیا، چین، کوریا، ہندوستان و پاکستان اور یوروپ کے ممالک میں شاہین پروری اور شاہین بازی کے شائقین پائے جاتے ہیں۔

■

Mohd Ashraf Azeemabadi
Madarsa Sulaimania Lane
Nawab Bahadur Road
Patna City - 800008 (Bihar)

ذکی احمد ایم اے

ماگھ

کیا کہنا آفتاب کی اعلیٰ صفات کا
سورج ہے سب کے واسطے منبع حیات کا

موسم کوئی خراب نہیں ہے جہان میں
گستاخی نادرست ہے جاڑے کی شان میں

بے فکر آدمی ہو، اگر غم نہ ہو کوئی
اس کے مقابلے کا تو موسم نہ ہو کوئی

مچھر سے بھی نجات ہے کھٹمل ہیں لاپتا
جب چھپ گئے لحاف میں بس آگیا مزا

ساری خدائی رات ابھی رہتے ہی جگ گئی
بس بھور ہی سے ہوٹلوں میں بھیڑ لگ گئی

رکنے کی تاب کب ہے سواری کے واسطے
پیدل ہی چل پڑے ہیں نہاری کے واسطے

شب دیگ کا بھی پائے کا بھی لطف بڑھ گیا
مل بیٹھنے کا چائے کا بھی لطف بڑھ گیا

بیماروں کے بھی ہاضمے اب لاجواب ہیں
انڈوں کے دام چڑھ گئے مہنگے کباب ہیں

ہر سو سجی ہیں کیا سر بازار سبزیاں
شلجم چقندر آلو مزیدار سبزیاں

یکتا کہیں، کریم کہیں یا خدا کہیں
جس نے بنایا جاڑا ذکی! اس کو کیا کہیں

(ماہنامہ مسرت، پٹنہ، جنوری 1968)

1 ہندی کا ایک مہینہ

مآخذ: مسرت کے ترانے، مرتب: ضیاء الرحمٰن غوثی

نظم

غفران احمد

بچہ مزدوری

بچہ جو پڑھے نہیں اسکول میں
بن کے کانٹا رہتا ہے وہ پھول میں
اس کو آزادی تو ہے اسکول سے
پیٹ بھرتا ہے مگر وہ دھول سے
کھیلنا ہی اچھا لگتا ہے اسے
کھیلنے والا ہی جچتا ہے اسے
صبح اس کی کھیل کے میدان میں
شام اس کی کھیل کے طوفان میں
بھاگتا ہے پڑھنے والوں سے وہ دور
لیکن اس کا ہی نہیں تنہا قصور
ماں پڑھی لکھی نہیں اس کی کوئی
اور اس کے باپ کی حالت وہی
وہ ابھی ننھا ہے اور معصوم بھی
ہوگیا ہے علم سے محروم بھی
باپ نے بھیجا، کرو تم کام کچھ
صبح مزدوری کرو اور شام کچھ
اس طرح مزدور بچہ بن گیا
کیا اسے بننا تھا، اور کیا بن گیا؟

■

Gufran Ahmad S/o Zahiruluaq Baluwa
Post: Kurthi Jafarpur - 275305
Distt: Mau (UP)

شمیم اختر

اصلی دوستی

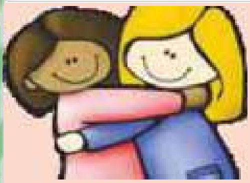

کچھ بھی کہنا، سوچ سمجھ کر
یاری کرنا، تول پرکھ کر

دوست ملیں گے، ڈھیروں سارے
ان میں ہوں گے، کچھ ہی پیارے

کچھ تو تم سے خوب ملیں گے
اور کچھ تیری راہ تکیں گے

ہر دَم تم کو گھیرے رہیں گے
یاری کا وہ دَم بھی بھریں گے

پر وہ دل ہی دل میں جلیں گے
راہوں میں بھی روڑا بنیں گے

چوکس رہنا پڑے گا ان سے
بچ کر چلنا پڑے گا ان سے

سادہ سے وہ لوگ کہاں اب
مطلب کا ہے یہ تو جہاں اب

سچے، جھوٹے کو ہے سمجھنا
ایسی راہ پہ اختر چلنا

■

Shamim Akhtar
5, P.M Bustee 4th Lane
Shibpur, Howrah - 2 (West Bengal)
Mob.: 9836225704

مظہرالاسلام

انکساری

تکبر بری شے ہے، ہرگز نہ کرنا
یہ جذبہ برا ہے، سدا اس سے بچنا
نہ دولت نہ شہرت پہ مغرور ہونا
ہے شے آنی جانی، بھروسہ نہ کرنا
تکبر سے تم کو بھلا کیا ملے گا
نہ عزت ملے گی نہ رتبہ رہے گا
ہے مغرور ہونا سراسر حماقت
تدبر سے عظمت، تکبر ہے لعنت
نہ دولت رہے نہ رہے تاجداری
حلیمی سے قائم ہے عظمت تمھاری
عزیزوں سے یہ دوریاں تک بڑھادے
تکبر دلوں سے محبت مٹا دے
تکبر خجالت سے دوچار کردے
بھلے ذہن کو بھی یہ بیمار کردے
جو مل جائے عظمت تکبر نہ کرنا
ملے تم کو دولت تکبر نہ کرنا
ہے عزت و رتبہ، ہے گر انکساری
جھکی ہے ہمیشہ ہی پھل دار ڈالی

■

Mazharul Islam
31-Bahelman, Uper Kot
Buland Shahar - 203001 (UP)

بریرہ تبسم

پھول

ابا! کتنے سارے پھول
دھرتی کے ہیں تارے پھول
نیلے، پیلے، اودے، لال
رنگ برنگے نیارے پھول
دھوپ ہو چاہے بارش ہو
موسم سے کب ہارے پھول
امّی، ابّو، کہتے ہیں
ہم کو اپنے پیارے پھول

■

Barira Tabassum
Syed Zamir
Urdu Primary Saifia School
Paradise Colony
Amravati (Maharashtra)

احمد مشکور

غریب رامو

''امّی — رامو آیا ہے'' جنید کا جواب سن کر امی بھاگی ہوئی دروازے کے قریب آئیں اور بہت پیار سے جنید سے بولیں ''بیٹے ایسے نہیں کہتے، کہیے کہ ''بیٹے — رامو انکل آئے ہیں۔ رامو بڑے ہیں اور ہم سب کے کپڑے دھوکر لاتے ہیں — آپ کو ان کا اس طرح نام نہیں لینا چاہیے'' امی نے سمجھایا۔

''آئی ایم ساری امّی اور رامو انکل — اب میں ایسی غلطی نہیں کروں گا'' اتنا کہہ کر جنید لان میں فٹ بال کھیلنے چلا گیا اور امی کپڑے ملانے لگیں۔

''رامو — آپ کچھ خیال مت کیجیے گا۔ جنید ابھی بچہ ہے — دھیرے دھیرے اچھی اور بری باتوں کو سمجھنے لگے گا'' امی نے کپڑوں کو گنتے ہوئے کہا۔ ''ارے میم صاحب — جنید بھیا تو ہمیں بہت چاہتے ہیں — ایک دن کہہ رہے تھے کہ میری قمیض کلاس میں سب سے اچھی، صاف اور سفید ہوتی ہے، رامو نے جنید کی تعریف کی ''رامو — ! آپ کا بیٹا ونود داخلہ جنید کے اسکول میں کرادوں گی۔'' امی نے کہا تو رامو نے ہاتھ جوڑ لیے اور بولا۔ ''نہیں میم صاحب — ہم غریب لوگ ہیں — سرکاری اسکولوں میں ہی پڑھاتے ہیں۔ ایسا ہے میم صاحب کہ وہاں ونود کی فیس نہیں لگتی۔''

''تم فیس کی فکر مت کرو — جنید ہمارے اکلوتے بیٹے ہیں۔ گھر میں کوئی دوسرا بچہ نہیں ہے اس لیے وہ گھبراتا ہے — ونود کے ساتھ اسکول جائے گا تو اس کی طبیعت بہل جائے گی'' امی نے رامو کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کو خدشہ تھا کہ رامو انکار نہ کردے۔ رامو بڑے شش و پنج میں مبتلا ہوگیا۔

''حضور میم صاحب — آپ کیا کہہ رہی ہیں ہم تو سمجھ ہی نہیں پارہے ہیں'' ''اس میں نہ سمجھنے کی کیا بات ہے۔ تم میرے بنگلے کے آؤٹ ہاؤس میں رہتے ہو — ونود کا جب جنید کے اسکول میں داخلہ ہوجائے گا تو دونوں ایک ساتھ اسکول بس سے جائیں گے'' امی نے رامو کو سمجھایا۔

''میم صاحب — آپ ایسا کہہ رہی ہیں جیسے ہم سپنے

میں سن رہے ہیں'' رامو نے حیرت سے کہا ''ویسے میم صاحب— ہمارا ونود پڑھنے میں بہت تیز ہے۔ ایک دن اس کے ہیڈ ماسٹر صاحب پتہ نہیں کا کہہ رہے تھے کہ ونود کو خوب پڑھاؤ— بڑا ہوکر ایل پی ایس بن جائے گا'' رامو نے کہا۔

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ ونود کو پڑھائی میں دلچسپی ہے'' امی نے رامو دھوبی سے کہا ''ہمارے جنید بھی ماشاء اللہ بہت ذہین ہیں۔ دونوں خوب دل لگا کر پڑھیں گے تم پریشان نہ ہو۔''

جنید اور ونود ایک ساتھ ایک ہی طرح کے ڈریس میں ایک ہی اسکول بس سے اسکول جانے لگے۔ ونود عمر میں جنید سے بڑا تھا اس لیے جنید اسے ونود بھیا کہہ کر بلانے لگا۔ دونوں اپنی کلاس میں اول آتے تھے۔ اسکول کے بعد دونوں یا تو ان ڈور گیم کھیلتے یا لان میں کرکٹ اور فٹ بال کھیلتے۔ وقت بہت تیزی سے گزرنے لگا۔ زندگی میں نشیب وفراز آتے رہتے ہیں اور زندگی کی گاڑی چلتی رہتی ہے۔ جنید کے ڈیڈی کا دفتر سے گھر آتے وقت ان کی کار کا شدید حادثہ ہوا تو پورا گھر پریشان ہوگیا۔ خاندان کے سارے احباب آگئے۔ اسپتال میں ان کو دیکھنے والوں کا ایک مجمع لگا ہوا تھا۔ پیر کے آپریشن کے لیے خون کی فوری ضرورت تھی۔ خون عطیہ کرنے والوں کی لائن لگ گئی مگر ان کے خون کا گروپ ونود کے پاپا رامو کے خون کے گروپ سے مل پایا، اس لیے انھیں رامو کا ہی خون دیا گیا— چند دنوں بعد جنید کے ڈیڈی ٹھیک ہوکر گھر آگئے اور ایک دن ونود کو اشارے سے اپنے قریب بلا کر جنید سے کہا۔

''بیٹا— میری جان بچانے میں ونود کے پاپا کے خون کا بہت بڑا ہاتھ ہے— مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں سگے بھائیوں کی طرح پڑھ رہے ہو— انشاء اللہ تم دونوں بہت ترقی کروگے اور یاد رکھو تعلیم سے ہی انسان ترقی کرسکتا ہے۔''

اعلیٰ تعلیم کے لیے جنید نے میڈیکل اور ونود نے انجینئرنگ کو پسند کیا۔ ایک دن جنید ڈاکٹر اور ونود انجینئر ہوگئے۔ رامو کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرا بیٹا انجینئر بن جائے گا۔ یہ سب دونوں بچوں کی کڑی محنت کی وجہ سے ممکن ہوسکا۔ دونوں کو امریکہ جیسے بڑے ملک میں نوکری بھی مل گئی۔ ونود امریکہ کے شہر شکاگو چلا گیا اور جنید کو امریکہ کے شہر انڈیانا پلس کی ایک بہت بڑی کمپنی میں نوکری مل گئی— رامو نے جنید کے ڈیڈی سے ایک دن پوچھا۔

''صاحب! جنید بھیا کو انڈیا میں کاہے نوکری ملی اور ونود امریکہ چلا گیا'' ''ارے نہیں۔ بھئی رامو دونوں امریکہ میں نوکری کررہے ہیں'' جنید کے ڈیڈی نے رامو کو سمجھایا۔

''مگر صاحب۔ میں نے سنا ہے کہ وہ انڈیانا گئے ہیں۔ انڈیا تو بھارت ہی ہوا نہ صاحب'' رامو نے کہا۔ ''رامو— تم سمجھے نہیں— جیسے ہمارا ملک میں، اتر پردیش ہے ویسے ہی امریکہ کے ایک پردیش کا نام انڈیانا ہے— جنید انڈیانا کے ایک بڑے کینسر اسپتال میں بہت بڑے ڈاکٹر ہیں۔''

''اب سمجھ میں آیا صاحب— آپ لوگوں کی مہربانی اور بھگوان کی دیا سے جنید بھیا کے ساتھ غریب رامو کا بیٹا ونود بھی انجینئر بن گیا—'' اتنا کہہ کر رامو رونے لگا۔

■

Ahmad Mashkoor
201/3, Kirti Apartments,
Mayur Vihar, Phase 1 Ext.
Delhi - 110091

م۔ ندیم (علیگ)

پیڑ کا غم

اپنے کچے گھر کے سامنے ایک چھوٹے بچے نے ایک پودا لگایا تھا۔ وہ روز اس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ پودا بڑا ہوگیا اور وہ بچہ بھی جوان ہوگیا۔ ایک دن وہ لڑکا کھانے کمانے کے لیے بہت دور پردیس چلا گیا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے پیڑ کو خدا حافظ کہا: ''میرے دوست میں جلد ہی واپس آؤں گا، میرا انتظار کرنا۔''

کئی سال بیت گئے۔ ایک دن وہ لڑکا اپنے گھر واپس آیا، وہ پیڑ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اس کا پیڑ اب بہت اونچا اور گلنار ہوگیا ہے، چڑیوں، کبوتروں اور فاختاؤں نے اپنے گھونسلے بنا لیے ہیں اور گلہریوں نے بھی گھر بنا لیے ہیں۔ وہ پیڑ کے سایے میں بیٹھ گیا۔ اس نے پیڑ کے تنے کو محبت کے احساس کے ساتھ چھو کر کہا: ''تم میرے بچپن کے ساتھی ہو۔ اب میں تم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ پردیس میں مجھے میرا گاؤں، گھر اور تم بہت یاد آتے تھے۔ اب وہ پیڑ کے نیچے چارپائی پر لیٹا رہتا تھا، اور روز دانہ ڈالتا تھا۔ چڑیاں اس سے بہت مانوس ہوگئی تھیں اور اس کی چارپائی پر بیٹھی رہتی تھیں۔ گلہریوں کو ایک دوسرے کو پیچھا کرتے اور کودتے ہوئے دیکھ کر وہ خوشی محسوس کرتا تھا۔

وقت گزرتا گیا۔ وہ پیڑ کے نیچے تنہا بیٹھا پیڑ سے باتیں کرتا رہتا۔ اس کے بچے کہتے ان کے باپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔

جدائی میں وہ فوج میں بھرتی ہوگیا تھا اور سات سمندر پار جنگ میں اس کو جانا پڑا۔ وہ پیڑ کو جنگ کے حالات سناتا کہ جنگ کی وجہ سے بے گناہ انسانوں کی جان جاتی ہے۔ وہ خوش قسمت تھا کہ زندہ بچ کر آ گیا۔ جنگ بہت بری بلا ہے...'

اب وہ بہت بوڑھا اور کمزور ہوگیا تھا اور بیمار ہوگیا تھا۔ اس کے بیٹوں نے کہا ''باپو چلو شہر چلو وہاں ڈاکٹر سے تم کو دوا دلا دیں گے، بیماری دور ہوجائے گی۔'' اس نے بیٹوں سے کہا:

''میں اپنے دوست کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔'' بیٹوں نے کہا کہ باپو کا دماغ بالکل خراب ہوگیا ہے۔ اب ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو!

ایک دن اسی پیڑ کے نیچے اس نے آخری سانس لی۔ اس کا بے جان جسم چار پائی پر رکھا تھا۔ چاروں طرف اس کے رشتہ دار کھڑے تھے۔ پیڑ ایک گہری خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ پیڑ پر بیٹھی چڑیاں، فاختائیں بھی خاموش تھیں، ایک غمگین اور اداس بھرا ماحول تھا۔

اور جب لوگ اس آدمی کو دفنا کر واپس آئے تو دیکھا کہ پیڑ گرا پڑا ہے۔ کسی نے کہا کہ پیڑ بوڑھا ہوگیا تھا اس لیے گر گیا۔ کسی نے کہا آندھی سے گر گیا ہوگا لیکن کسی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ پیڑ اپنے دوست کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر سکا اور اس کے غم میں وہ بھی مر گیا۔

ہم کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ پیڑ پودے بھی انسانوں کی طرح دل اور احساس رکھتے ہیں اور خوشی اور غم کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن ہم ان کے درد کو نہیں سمجھ سکتے۔

پیڑ انسانوں کے سچے دوست ہیں۔ ہمیں ان کی محبت کی قدر کرنی چاہیے!

■

Meem Nadeem (Alig)
4/1706, Muzammil Compound
Civil Line
Aligarh - 202002 (UP)
Mob: 9258553456

جوابات

ہینس کرسچن اینڈرسن، ترجمہ: انصاری حفیظ الرحمن

ماچس گرل

The Little Match Girl

(2اپریل 1805 تا 4اگست 1875)

ہینس اینڈرسن 19ویں صدی کے آغاز کے ڈنمارک سے تعلق رکھنے والے ادیب اور شاعر تھے۔ 14 سال کی عمر میں روزگار کی تلاش میں کوپن ہیگن آ گئے۔ اوپیرا میں قدم جمانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر شاعری، بچوں کا ادب اور افسانہ نگاری میں مقبولیت حاصل کی۔ آپ کی مشہور کہانی 'ماچس گرل' بچوں کے ادب میں کلاسیک کی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کہانی سے بچوں میں ابتدا ہی سے محنت مزدوری کر کے روزگار حاصل کرنے اور اپنی مدد آپ کا سبق ملتا ہے۔

وہ شام بھی کتنی سرد تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سرد ہواؤں نے سورج کو بھی بجھا دیا ہو۔ آہستہ آہستہ دہکتے کوئلے جیسے سیاہ پڑ جاتے ہیں بالکل ویسے ہی وہ شام بھی سیاہ ہوتی جا رہی تھی۔ سال کی یہ آخری شامیں آج سردی کے سبب کچھ نیلگوں نظر آتی تھیں۔ ایسے میں شہروں میں رہنے والے امراء آتشیں انگیٹھیوں کے سامنے لیٹے، گرم شالیں اوڑھے اپنے بچوں کو مسیح کی غریب پروری کی داستان سنا رہے تھے۔ تب ایک بچی لڑکھڑاتی ڈگمگاتی اس سڑک پر آ نکلی جہاں یہ Posh مکانات تھے۔ سردی سے بچنے کے لیے اس کے گلے میں مفلر بھی نہ تھا اور پاؤں جوتوں سے محروم تھے، ہاں! مگر وہ جب گھر سے نکلی تو اس کے پیروں میں چپل ضرور تھے۔ جو اس سردی کا مقابلہ کرنے کو ناکافی تھے۔ اول تو چپلیں اس کی ماں کی تھیں پھر ایک سات سالہ بچی کو فٹ آتیں بھی تو کیونکر۔ اس پر طرہ یہ کہ چپلوں نے اس کے نازک پیروں کو زخمی کر دیا تھا۔ پیروں کے چھالے زبردست سردی اور پیروں کے سُن ہو جانے سے درد کا احساس نہیں دلاتے تھے۔

مگر برا ہو ان بگھیوں کا جو شاہراہوں پر بے تحاشہ دوڑتی ہیں۔ یہ بچی بھی ایک شاہراہ پر ہی ماچس کی ڈبیاں فروخت کیا کرتی تھی۔ جب گھوڑے اس کے قریب سے ہنہناتے گزرے تو بچی خوف سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ بھاگنے میں اس کا ایک چپل کسی جگہ چھوٹ گیا تھا۔

برف کے نرم اور گداز گالوں نے اس کے گھنگرالے بالوں میں خوشنما بیل بوٹے بنا دیے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چنبیلی کے سفید پھولوں سے اس کے بالوں کو گوندھا گیا ہو۔ اس خیال سے کہ شاید اس کا کھویا ہوا چپل اسے مل جائے وہ چپل کو ہاتھوں میں دبا کر چلنے لگی۔ آج اس کی دیا سلائی کی ڈبیاں کسی نے بھی خریدی نہیں تھیں۔ تمام ڈبیاں کمر سے بندھے ہوئے تھیلے میں برف کی ڈلیاں سی محسوس ہو رہی تھیں مگر ان تمام باتوں سے لاتعلق وہ شہر کے اس علاقہ میں داخل ہو گئی جہاں گوشت کے بھُنے ہوئے پارچوں نے اس کی بھوک بڑھا دی تھی، دیوار سے کچرے کے ڈھیروں سے

لگ کر وہ بیٹھی اور اپنے وجود کو گرمانے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر دسمبر کی برفانی ہواؤں کا مقابلہ بھلا اس طرح کیوں کر ہو پاتا۔ ایک طرف سرما کی دیوی جو اپنی خنک سانسوں سے سورج دیوتا کو ہی برف کردے اور دوسری طرف بھوک سے نڈھال سات سالہ معصوم سی بچی۔ اس کے بدن پر چند بوسیدہ چیتھڑوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اس نے ابھی گھر جانے کا سوچا ہی تھا کہ تصور میں باپ کا کرخت چہرہ گھوم گیا جو ڈبیہ فروخت نہ ہونے پر اسے بری طرح سے مارے گا۔ رفتہ رفتہ اس کے ہاتھ پیر سُن ہونے لگے۔ اس نے ایک ڈبیہ سے ماچس کی تیلی نکالی اور دیوار سے رگڑ کر اسے روشن کیا۔ اس کا بس چلتا تو جلتی ہوئی تیلیوں کو ہاتھوں سے تھام لیتی۔ تیلیوں کی گرمی سے اسے ایسا لگا کہ وہ کسی آتشیں الاؤ کے قریب ہے۔ آگ کے شعلوں کا عکس جب دیوار پر پڑا تو وہ ایک شفاف شیشے کی طرح نظر آئی جس سے آر پار دیکھنا ممکن تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک کمرہ میں ٹیبل سجایا گیا ہے۔ اس میں طشتری میں بھنا ہوا مرغ۔ آس پاس ذائقے دار ساس اور چٹنیاں اس کی بھوک کو بڑھا رہی تھیں۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے دیکھا کہ مرغ نے ٹیبل سے چھلانگ لگائی اور اس کی طرف بڑھنا شروع کردیا ہے مگر یہ کیا! یہ سارا منظر یکا یک دھندلا سا کیوں گیا۔ اسی دوران بچی نے آسمان سے ٹوٹنے والے ستارے کو دیکھا، اُسے دادی اماں کی بات یاد آنے لگی۔

وہ کہتیں ''جب کسی کی موت ہوتی ہے تو آسمانوں سے ایک ستارہ ٹوٹ کر زمین کا رخ کرتا ہے'' گھر میں ایک دادی اماں ہی تو تھیں جو اسے ٹوٹ کر چاہتی تھیں، مگر اس کا تارہ بھی ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے جلدی جلدی دوسری تیلیاں جلائیں کہ عکس نظر آتے رہیں۔ پھر اس نے دیکھا کہ اس کی دادی اماں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی ہیں۔

بچی زوروں سے چلائی ''دادی اماں مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ دیکھو اگر یہ تیلیاں بجھ گئیں تو مرغ کی طرح تم بھی روٹھ کر چل دوگی'' اس خیال سے کہ اس کی دادی ماں چلی نہ جائیں۔ اس نے تھیلے کی تمام ڈبیوں کو آگ میں جھونک دیا۔ ایک اونچا سا شعلہ بلند ہوا، دادی کا چہرہ اپنی پوتی کو دیکھ کر دمک اٹھا تھا۔ اب دادی جان نے اسے گود میں اٹھایا اور آسمان کی بلندیوں میں اڑنے لگیں۔ حویلیوں، چھتوں سے بہت اونچائی پر اور آسمانوں سے بھی پرے بلندیوں کی طرف بڑھتی جا رہی تھیں۔ اب بچی کو نہ بھوک ستا رہی تھی اور نہ ہی سرد موسم کیونکہ وہ بارگاہِ ایزدی میں چلی گئی تھی۔

صبح ہوئی تو سورج کی کرنیں کچرے کے ڈھیر میں پڑی معصوم بچی کے سرخ رخساروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ آس پاس لوگوں کی بھیڑ جمع تھی۔

ایک نے کہا ''کتنے افسوس کی بات ہے سردی سے بچنے کے لیے اس معصوم نے تمام دیا سلائیاں جلادی ہوں گی'' لیکن وہاں کھڑے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ مری ہوئی بچی کے چہرے پر یہ مسکراہٹ کیسی ہے۔ بھلا وہ یہ کیوں کر جان سکتے تھے کہ اس معصوم نے اپنی دادی اماں کے ساتھ مل کر کرسمس کا شاندار جشن منایا ہے اور نہ جانے کتنے ہی آسمانوں کی سیر کی ہے۔

■

Ansari Hafizurraheman
S. No: 76, Pl. No: 55, Ansar Colony
Nayapura Ward
Malegaon - 423203 (Nasik) Maharashtra

منظر مظفر پوری

کہانی

اور آنکھ کھل گئی

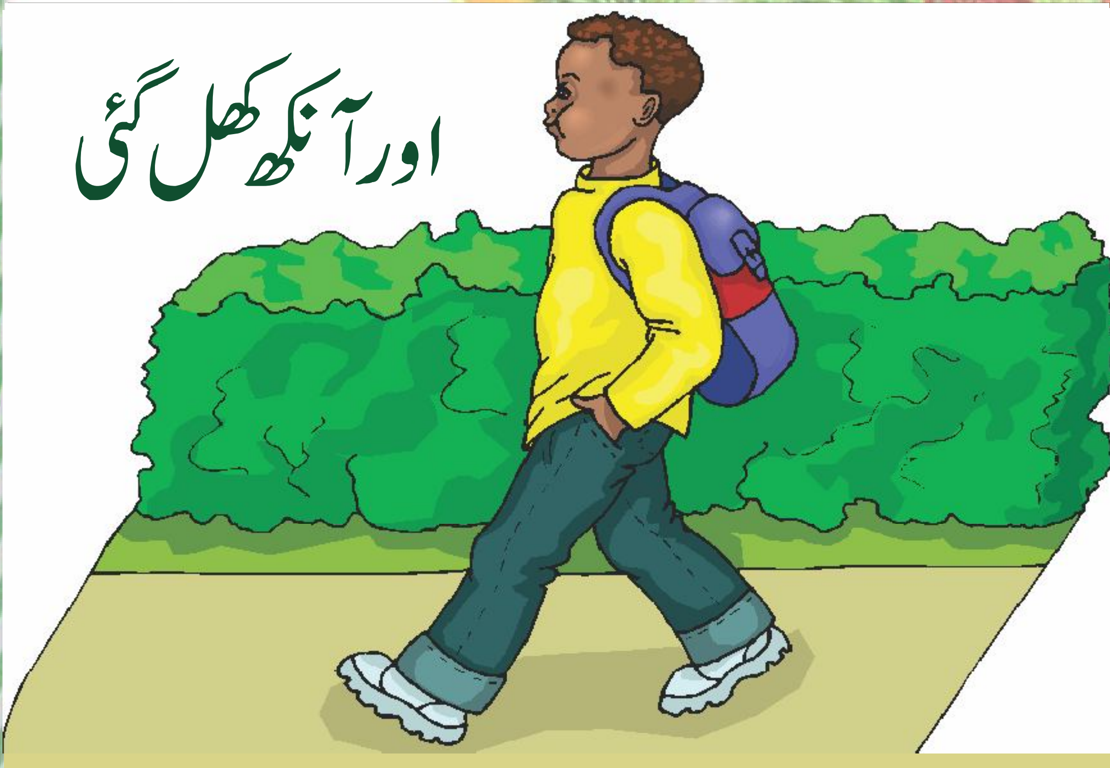

وقت پر کوچنگ سینٹر پہنچنے کے لیے گڈو نے اپنے پڑوسی دوست صابر کا زیادہ انتظار نہیں کیا اور اکیلے ہی گھر سے نکل پڑا۔ ابھی وہ نصف راستہ ہی طے کر پایا ہوگا کہ سنسان سڑک کے فٹ پاتھ پر بیٹھے ایک بابا نے اسے آواز دی ’’اے بچہ کدھر جاتا ہے؟ بابا کا آشیرواد لیتا جا۔‘‘

’’ٹیوشن پڑھنے جا رہا ہوں بابا۔‘‘ کہتے ہوئے گڈو سڑک سے اتر کر ڈرتے ڈرتے بابا کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

’’کس درجے میں پڑھتا ہے؟‘‘

’’پانچویں درجے میں۔‘‘

’’بہت خوب، ذرا اپنا دایاں ہاتھ دے۔ دیکھتا ہوں کیا بتاتی ہیں تیری قسمت کی لکیریں۔‘‘ کہتے ہوئے بابا، گڈو کا سیدھا ہاتھ پکڑ کر ہتھیلی کی آڑی ترچھی لکیریں پڑھنے لگے۔

’’واہ‘‘ تو تو پڑھنے لکھنے میں کافی تیز ہے اور اسی کے ساتھ شریف اور ہمدرد بھی ہے۔‘‘

’’گڈو خوش ہو گیا۔ بابا آگے کہہ رہے تھے ’’لیکن تیری بھاگیہ ریکھائیں یہ بھی بتاتی ہیں کہ اپنے پرائے تجھے بہت ستاتے ہیں۔ گھر والے تجھے نالائق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو پڑھائی لکھائی میں بے حد کمزور ہے۔‘‘

گڈو سوچنے لگا ’’بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ پاپا مجھے پڑھائی لکھائی میں کمزور ہونے کے طعنے آئے دن دیتے رہتے ہیں، جب کہ ایسی بات نہیں ہے، میں پڑھائی لکھائی تو دل لگا کر کرتا ہوں‘‘ گڈو کو بابا کی یہ بات بھی درست لگی کہ وہ نیک اور ہمدرد ہے، لیکن کوئی اس کے دل میں جھانکنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔

بابا اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر پھر اس کے دل کی بات بتانے لگے ''تو جو کچھ سوچتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا بلکہ اس کا الٹا ہوتا ہے۔'' بابا کی یہ بات بھی گڈو کو صحیح لگی، ایک بار اس نے یہ سوچا تھا کہ گولک میں پورے پچاس روپے جمع کرنے کے بعد ہی اسے پھوڑے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ابھی اس نے 25 روپے ہی مشکل سے جمع کر پائے ہوں گے کہ ایک روز ایک موٹے چوہے نے طاق پر رکھی اس کی گولک کو گرا کر اس کے پلان پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح گزشتہ سال اسے پورا یقین تھا کہ وہ اچھی ڈویژن سے امتحان پاس کرے گا لیکن جب رزلٹ نکلا تو اسے بے حد مایوسی ہوئی۔

بابا نے پھر ایک بات اس کی مرضی کے مطابق کہی، ''آگے چل کر تو بہت بڑا آدمی بنے گا۔ کرکٹ سے تجھے بہت شوق ہے نا؟''

''ہاں بہت ہے۔'' گڈو نے چہک کر کہا۔

''تبھی تو تیری ریکھائیں بتا رہی ہیں کہ ایک روز تو ہندوستانی کرکٹ ٹیم کا بہترین کھلاڑی بنے گا۔ تیری بیٹنگ، بولنگ کا جواب نہ ہوگا۔''

اس طرح بابا اپنی پیش گوئی سے گڈو کو خاصہ متاثر کرنے کے بعد تھیلے سے ایک تعویذ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے ''یہ لے بچہ اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا۔ یہ تجھے فائدہ ہی فائدہ پہنچائے گا۔ تو جو کچھ چاہے گا، اس تعویذ میں چھپا جن اُسے آن کی آن میں پورا کردے گا۔ یقین نہیں ہو رہا تو یہ دیکھو۔'' اتنا کہنے کے بعد بابا اس تعویذ کو مٹھی میں بھینچ کر زیرلب بدبدانے لگے، ''آیئے اس تعویذ کے غلام جن مجھے ابھی سو روپے کا ایک نوٹ چاہیے۔'' پھر بابا نے مٹھی کھول دی تو ہتھیلی پر اس تعویذ کے علاوہ سو روپے کا ایک نوٹ بھی نظر آیا، جسے دیکھ کر گڈو کی حیرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ بولا، ''اتنا اثر دار ہے یہ تعویذ؟''

''بالکل!''

''اس کی کیا قیمت رکھی ہے آپ نے؟'' گڈو نے مچلتے ہوئے پوچھا۔

''صرف پانچ سو روپے۔''

''پانچ سو روپے!'' قیمت سن کر گڈو سوچ میں پڑ گیا۔ ''پانچ سو روپے تو جیب میں ضرور پڑے ہیں، لیکن یہ رقم ماسٹر صاحب کی فیس ہے، گھر سے روانہ ہوتے وقت ابو نے ماسٹر صاحب کو دینے کے لیے دیے تھے۔ چلو کوئی بات نہیں تعویذ خرید لینے کے بعد اس کی مدد سے ایسے کتنے پانچ سو روپے حاصل کرلوں گا۔'' یہ سوچ کر گڈو نے روپے نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ اسی بیچ پیچھے سے صابر آدھمکا۔

''ارے یہ کیا کر رہے ہو؟'' اس نے سڑک سے اتر کر گڈو کے قریب آتے ہوئے پوچھا:

''تعویذ خرید رہا ہوں صابر بھائی، اس میں ایک جن قید ہے، جو تعویذ خریدنے والوں کی ساری خواہشیں پوری کردیتا ہے۔'' گڈو بولا۔

''ارے یہ سب بکواس ہے۔ بابا تمھیں بے وقوف بنا کر ٹھگ رہے ہیں۔ صابر کا کہنا تھا کہ بابا غرّا اٹھے، ''اے لڑکے! خبردار جو اس کراماتی تعویذ کو جھوٹا کہا۔''

''چلو میں تھوڑی دیر کے لیے مان لیتا ہوں کہ تمھارا یہ تعویذ کراماتی ہے لیکن اس کا کوئی ٹھوس ثبوت تو ہوگا تمھارے پاس۔''

بابا کے بجائے گڈو کہنے لگا، بابا نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس میں سمائے جن کو حکم دے کر سو روپے کا ایک نوٹ منگوایا تھا۔''

صابر بولا، ''یہ سب بابا کے ہاتھ کی صفائی ہے، تم کس کے چکر میں پڑ گئے؟''—صابر کے تیور دیکھ کر بابا کو یقین ہو گیا کہ وہ ان کی چالبازی سے پردہ اٹھا کر ہی رہے گا۔ اس لیے انھوں نے صابر کو ڈرا دھمکا کر شانت کرنا چاہا، مگر وہ اتنی آسانی سے کہاں باز آنے والا تھا۔ موقعے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس نے اچانک شور مچانا شروع کیا۔ پھر کیا تھا! سڑک سے گزر رہے دو کانسٹیبل فوراً حرکت میں آ گئے اور معاملے کی تحقیقات کرنے کے بعد بابا کو دھر دبوچا، پھر اسے تھانے لے گئے۔

''آخر تم اتنے بے وقوف کیوں ہو گڈو؟'' بھیڑ چھٹنے کے بعد صابر نے گڈو پر ناراضگی جتائی تو گڈو بھی تنک کر بولا، ''تم بہت خراب لڑکے ہو صابر بھائی! بابا کو پولیس کے حوالے کیوں کروا دیا؟ وہ بہت اچھے آدمی تھے، میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر بالکل سچ سچ باتیں بتائیں تھیں انھوں نے۔''

صابر کہنے لگا، ''ہاں بھئی، انھوں نے یہ کہا ہوگا کہ تم پڑھنے لکھنے میں کافی تیز ہو۔ تم بہت اچھے لڑکے ہو، جبکہ لوگ تمھیں برا سمجھتے ہیں، تم جو کچھ سوچتے ہو، اس کا بالکل الٹا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔''

''ارے میرے دل کی بات تو تم بھی جانتے ہو۔''—گڈو حیرت سے صابر کو دیکھنے لگا ''ارے نہیں پگلے، یہ دل کی بات نہیں ہے، بلکہ عام بات ہے۔ ایسا صرف تمھارے ساتھ ہی نہیں، ہر کسی کے ساتھ ہوتا ہے۔''—''اب تم کچھ بھی کہو صابر بھائی، لیکن بابا مجھے پہنچے ہوئے فقیر سے کم نہیں لگے۔ انھوں نے میری پیش گوئی کرتے ہوئے بتایا کہ میں ایک روز ہندوستانی کرکٹ ٹیم کا بہترین کھلاڑی بنوں گا۔ ایسا میرا دل بھی کہتا ہے صابر بھائی۔ اب تم ہی بتاؤ، بابا نے میرے دل کی بات کیسے بتائی؟''— گڈو نے حیرانگی جتاتے ہوئے پوچھا تو صابر اسے سمجھانے لگا۔ ''دراصل کرکٹ ایک مشہور کھیل ہے اسے بچے، بوڑھے، جوان سبھی پسند کرتے ہیں اور اس بات کو ہر کوئی محسوس کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بابا جیسے لوگ بھی تبھی تو اس دھوکے باز نے تمھیں خوش کرنے کی نیت سے یہ بات کہی کہ ایک روز تم ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے بہت بڑے کھلاڑی بنو گے۔''

گڈو، صابر کی باتیں غور سے سنتے سنتے بولا، ''ایک بات بتاؤ صابر بھائی، کیا میں واقعی کبھی بڑا آدمی نہیں بن سکوں گا؟''— ''کیوں نہیں بن سکتے بھلا، بڑا آدمی کوئی بھی بن سکتا ہے لیکن سپنے دیکھ دیکھ کر نہیں، بلکہ سچی لگن اور محنت سے۔ آئندہ بابا جیسے دھوکے بازوں سے بالکل خبردار رہنا۔ تم خود سوچو اگر وہ تعویذ واقعی کراماتی ہوتا تو پھر بابا فٹ پاتھ پر بیٹھے کیوں نظر آتے؟ کیا وہ بھی بڑے آدمی نہ بن جاتے۔''— ''ہاں یہ بات تم نے بالکل ٹھیک کہی صابر بھائی۔ گڈو اپنی نادانی پر شرمندہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''اب چلو واپس گھر چلیں، ٹیوشن کا وقت تو نکل چکا ہے۔ تمھاری وجہ سے آج میں بھی پڑھنے نہ جا سکا۔''—اور پھر دونوں اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔

■

Manzar Muzaffarpuri
Paighamberpur Kolhwa (Shiatoli)
Post: Kolhwa Via - Kolhwa
Near Kolhwa Chowk
Distt: Muzaffarpur - 843108 (Bihar)

سید صفدر رضا کھنڈوی

لالچی مکوڑا

راجو اپنی ماں کا اکلوتا لڑکا تھا۔ والدین کے لاڈ پیار نے اسے ضدی بنا دیا تھا۔ ہر روز نئے نئے کھلونوں کی فرمائش پوری ہو جائے تو خوش، ورنہ روٹھ جانا اس کی عادت بن چکی تھی۔ اس کا روٹھنا والدین کو کبھی اچھا نہیں لگتا تھا، وہ اسے ہمیشہ خوش دیکھنا پسند کرتے تھے۔

راجو کو مٹھائیاں کھانے کا بہت شوق تھا۔ اس کے والد جب شام کے وقت دفتر سے گھر آتے، راجو کے لیے مٹھائی ضرور لاتے۔ لڈو، پیڑے، برفی، گلاب جامن، رس ملائی، چم چم الغرض سبھی قسم کی مٹھائیاں راجو بڑے شوق سے کھاتا لیکن اس میں ایک گندی عادت یہ تھی کہ وہ میٹھی چیز کھانے کے بعد کبھی بھی اپنا منھ اور ہاتھ صاف نہیں کرتا، ویسے ہی سو جاتا۔

راجو کی اس گندی عادت سے ایک لالچی مکوڑا خوب فائدہ اٹھاتا، رات کے وقت جب راجو گہری نیند میں ہوتا، مکوڑا اپنے چھوٹے سے گھر یعنی سوراخ سے باہر نکلتا اور آہستہ آہستہ پلنگ کے پالے سے ہوتا ہوا راجو کے بستر پر پہنچ جاتا، پھر احتیاط سے راجو کے ہاتھ اور منہ پر لگی ہوئی مٹھائی کھانے لگتا، کبھی کبھی راجو کو اس کے باریک باریک پاؤں گال یا ہاتھ پر چبھ جاتے تب نیند میں راجو ہاتھ سہلانے یا کروٹ لینے لگتا۔ اس وقت مکوڑا ہوشیاری سے خود کو بچا لیتا۔

جب مکوڑے کا پیٹ بھر جاتا، تو اپنے سوراخ میں واپس

چلا جاتا۔ یہ اس کا روز کا معمول بن گیا تھا۔ مکوڑے کی بیوی اس کی اس عادت سے بہت پریشان تھی۔ اسے اس بات کا ڈر تھا کہ کسی دن راجو نیند میں مکوڑے کو مسل کر نہ رکھ دے۔ وہ دن بھر اِدھر اُدھر سے خوراک بٹور کر لاتی، مکوڑے کے سامنے رکھتی مگر لالچی مکوڑے کو وہ خوراک کبھی پسند نہیں آتی۔ اسے تو راجو جیسے گندے لڑکے کی جھوٹن پسند تھی۔

اس طرح کئی دن گزر گئے۔ ایک دن لالچی مکوڑے نے سنا کہ راجو اور اس کے والدین کسی رشتے دار کے یہاں شادی کی تقریب میں گاؤں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ لالچی مکوڑا فکر مند ہو گیا۔ اب اس کا کیا ہو گا؟ بھوک سے مرنے کی نوبت آ جائے گی۔ اس پریشانی سے بچنے کے لیے مکوڑے نے طے کیا کہ وہ بھی راجو کے ساتھ جائے گا۔ لالچی مکوڑے کی بیوی اس کے اس فیصلے سے پریشان ہو گئی۔ اس نے مکوڑے کو بہت سمجھایا، منت سماجت کی، گڑگڑائی، مگر لالچی مکوڑے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اپنے ارادے سے ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ مکوڑے کی ضد کے سامنے اس کی دور اندیش بیوی نے ہارے ہوئے سپاہی کی طرح ہتھیار ڈال دیے۔ کسی نے سچ کہا ہے ''گیدڑ کی موت اسے شہر کی طرف لے جاتی ہے۔''

ٹیکسی آ چکی تھی۔ راجو اور اس کے والد نے مکان کی کھڑکی، دروازے اور تالے کو چیک کیا۔ سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ راجو اور اس کی والدہ پہلے ہی ٹیکسی میں سوار ہو چکے تھے۔ لالچی مکوڑا ابھی راجو کے سوٹ کیس میں ایک چھوٹے سے سوراخ کے ذریعے اپنی جگہ بنا کر دبک کر بیٹھ گیا تھا۔ مکوڑے کی بیوی مکان کے دروازے کی دیوار کے سوراخ سے یہ منظر بڑی حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ راجو کے والد ٹیکسی میں سوار ہوئے اور ٹیکسی دھواں اگلتی ہوئی تیزی سے روانہ ہو گئی۔ مکوڑے کی بیوی مایوس و اداس آہستہ آہستہ سوراخ کے اندر چلی گئی۔

ٹرین مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مسافر جگہ حاصل کرنے کے لیے اِدھر اُدھر کمپارٹمنٹ میں چکر لگا رہے تھے۔ لیکن راجو کے والد کے ساتھ ایسی کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ انھوں نے پہلے ہی اپنے لیے ریزرویشن کروا لیا تھا۔ انھیں کمپارٹمنٹ میں جگہ اطمینان سے مل گئی تھی۔ راجو کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔ پلیٹ فارم پر اِدھر اُدھر دوڑتے ہوئے مسافروں اور خوانچے والوں کا شور اسے بھلا لگ رہا تھا۔

ٹرین آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے تیزی سے فراٹے بھرنے لگی۔ قلیوں، خوانچے والوں، چائے، پان بیڑی سگریٹ بیچنے والوں کی ملی جلی آوازیں اب مدھم ہو کر ٹرین کی رفتار کے عجیب سے شور میں گم ہو گئی تھیں۔

ہرے بھرے پیڑ، چھوٹے بڑے جھیل و تالاب، نالے اور ندیاں، پہاڑوں سے گرتے ہوئے خوبصورت جھرنے، کھیتوں میں کام کرتے ہوئے کسان، ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ٹیلیفون کے تاروں پر بیٹھے ہوئے رنگ برنگ پرندے اور چلتی ہوئی ٹرین کے ساتھ گھومتے ہوئے درخت، یہ سارے منظر دیکھنے میں راجو کھو سا گیا تھا۔

راجو اس وقت چونکا جب اس کی والدہ نے ناشتے کی پلیٹ بڑھائی۔ آلو کا بھرتا، پوری اور آم کا اچار، سبھی مل کر چٹخارے لے لے کر بڑے مزے سے کھا رہے تھے۔ اِدھر لالچی مکوڑا مارے بھوک کے کلبلا رہا تھا۔ اسے تیکھا کھانا بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ تو میٹھے کھانے کا رسیا تھا۔ اس کی یہی عادت اسے یہاں کھینچ کر لائی تھی۔ سوٹ کیس میں گرمی، ٹرین کے شور

اور بھوک کی شدت نے اس کی حالت بری کر دی تھی۔ اس وقت سوٹ کیس سے باہر نکلنا اس کی جان کے لیے خطرہ تھا۔ بھلائی اسی میں تھی کہ وہ سوٹ کیس کے سوراخ سے تھوڑا اپنا سر نکال کر تازہ ہوا میں سانس لیتا رہے۔

ٹرین رکی، ریلوے پلیٹ فارم کا وہی جانا پہچانا شور، راجو اور اس کے والدین ٹرین سے اتر کے پھر ٹیکسی میں سوار ہوئے۔ ٹیکسی ایک بڑی عمارت کے سامنے رُکی۔ کچھ لوگ ان کے استقبال کے لیے آئے، پھر یہ سبھی لوگ لفٹ کے ذریعے پانچویں منزل پر پہنچ کر راہ داری طے کرتے ہوئے ایک صاف ستھرے اور خوبصورت کمرے میں داخل ہوگئے۔ یہ کمرہ راجو اور اس کے والدین کے لیے مخصوص تھا۔ دوسرے مہمان الگ الگ کمروں میں ٹھہرائے گئے تھے۔

سوٹ کیس کھولے گئے اور ضروری سامان باہر نکالا گیا۔ لالچی مکوڑا راجو کے سوٹ کیس میں ایک جانب دبک کر بیٹھ گیا۔ جب رات ہوئی، لالچی مکوڑا حسب عادت راجو کے بستر پر پہنچ گیا۔ راجو گہری نیند میں تھا۔ مکوڑے نے راجو کے ہاتھ اور منھ پر مٹھائی کی جھوٹن تلاش کی، لیکن اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ آج راجو کا منھ اور ہاتھ صاف ستھرے اور جھوٹن سے پاک تھے۔ لالچی مکوڑا ایک تو پہلے ہی بھوک سے پریشان تھا، وہ جھنجھلا کر واپس سوٹ کیس میں آ گیا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ راجو کے والدین کمرے میں تالا لگا کر صبح سے چلے جاتے اور رات کے وقت واپس آ کر کمرے میں آرام کرتے۔ اِدھر بھوک کی شدت نے مکوڑے کی بری درگت بنا دی تھی کیونکہ اس نئی جگہ پر راجو نے اپنی پرانی عادت یکسر بدل ڈالی تھی نئے دوست مہمان بچوں کے ساتھ راجو کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد اپنے دونوں ہاتھ اور منھ خوشبودار صابن سے صاف کرنے لگا تھا۔ وہ اب سونے سے پہلے اپنا منھ اور ہاتھ اچھی طرح سے صاف کر لیتا کیونکہ اس نے اپنے جو نئے دوست بنائے تھے وہ سب صفائی پسند تھے اور راجو کو یہ عادت انھیں کی صحبت سے ملی۔

لالچی مکوڑا بند کمرے میں ادھر سے اُدھر غذا کی تلاش میں بھٹکتا مگر وہ صاف ستھرے، چکنے فرش اور چکنی دیواروں سے پھسل کر رہ جاتا۔ کمرے سے باہر نکلنے میں جان کا خطرہ تھا۔ کہیں کوئی پیروں تلے رگڑ نہ دے مگر ایک ہفتہ کی بھوک پیاس نے اسے یہ خطرہ اٹھانے کے لیے مجبور کر دیا تھا۔ وہ ہمت باندھ کر کمرے سے باہر آیا۔ راہ داری میں دیوار کے سہارے کنارے کنارے غذا تلاش کرنے لگا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اسے شکر کے چند بکھرے ہوئے دانے نظر آئے، جو شاید چائے کی ٹرے سے کسی بیرے سے انجانے میں گر گئے ہوں گے۔ لالچی مکوڑے کی جان میں جان آئی۔ اس نے اپنی بھوک ان شکر کے دانوں سے مٹا کر کمرے کی جانب واپس جانے کے لیے رخ کیا ہی تھا کہ صفائی کامگار کی جھاڑو کی چپیٹ میں آ گیا اور ایک ہی وار میں پانچویں منزل سے لہراتا ہوا نیچے زمین پر آ گرا۔

پتہ نہیں کب تک وہ زمین پر پڑا رہا لیکن جب اسے ہوش آیا تو دیکھا کہ سامنے سڑک پر لاریاں، اسکوٹر، بس وغیرہ شور مچاتے ہوئے، دھواں اڑاتے ہوئے آ، جا، رہے ہیں۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ راجو کے والدین کچھ لوگوں سے الوداعی گفتگو کر رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ گھر واپس جانے کی تیاری ہے۔

لالچی مکوڑا راجو کے قریب پہنچا اور اس کے جوتے کے

سہارے آہستہ آہستہ شرٹ کے کالر تک پہنچ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ راجو کے شرٹ کے کالر کے اندر چپک جائے وہ اس مقصد میں کامیابی کے قریب ہی تھا کہ راجو کے والد سے محوِ گفتگو ایک شخص کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس نے فوراً راجو کی شرٹ کو جھٹک دیا، لالچی مکوڑا سوٹ کیس کے پاس جا گرا، اس شخص کا ہاتھ ایسا زور دار پڑا تھا کہ لالچی مکوڑے کی نازک ملائم باریک سی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی اور وہ لنگڑا ہو گیا۔

لالچی مکوڑا اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درد بھول کر اس کوشش میں رہا کہ کسی صورت وہ راجو کے سوٹ کیس تک پہنچ جائے۔ لنگڑاتے لنگڑاتے وہ سوٹ کیس تک پہنچا اور سوراخ سے اندر داخل ہو گیا اور اطمینان کی سانس لی۔

اُدھر لالچی مکوڑے کی بیوی نے اس کی جدائی میں کھانا پینا ترک کر دیا تھا۔ وہ مکوڑے کی زندہ واپسی سے مایوس ہو چکی تھی پھر بھی اس نے امید کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ وہ دور دراز کے سوراخ سے اس کی واپسی کی راہ دیکھتی تھی۔

ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک ٹیکسی مکان کے سامنے آ کر رکی، راجو اور اس کے والدین سوٹ کیس لے کر ٹیکسی سے اترے اور مکان میں داخل ہو گئے۔ لالچی مکوڑے کی بیوی سوراخ سے نکل کر راجو کے کمرے میں آ گئی اور بے صبری سے راجو کے سوٹ کیس کی طرف دیکھتی رہی..... مگر یہ کیا؟..... لالچی مکوڑا لنگڑاتا ہوا... آہستہ... آہستہ... راجو کے سوٹ کیس سے باہر آ رہا تھا۔ جب وہ قریب آیا، اس کی بیوی اسے سہارا دے کر سوراخ کے اندر یعنی اس کے گھر میں لے گئی... لالچی مکوڑے نے بیوی کو اپنی تمام سرگزشت سنائی اور یہ عہد کیا کہ وہ اب کبھی لالچ نہیں کرے گا۔

■

Dr. Syed Safdar Raza Khandwi
Khanshawali, Chamantara Manzil
Moghat Road
Khandwa - 450001 (MP)

جوابات

(6) شکل الگ آواز ایک

ز	ذ	ظ	ض
ث	س	ص	
ہ	ح		
ت	ط		

نظم

محمد اسداللہ

چچا نرالے

چھتری، تالے، کولر والے　　چاچا ہیں اک بڑے نرالے
کام سے ان کے ہے یہ ظاہر　　اپنے فن میں ہیں یہ ماہر
ہر شے کی یہ کریں مرمت　　لوگوں کو پہنچائیں راحت

گرمی میں پنکھا بنوالو　　کولر روٹھ گیا ہو، لاؤ
چھتری سے گر ٹپکے پانی　　ہوئی ہو ٹیڑھی کوئی کمانی
پھٹا ہوا ہو اس کا کپڑا　　ٹوٹ گیا ہو کوئی پرزہ

ٹارچ میں، اسٹو میں، کولر میں　　کوئی خرابی ہو مکسر میں
ہر گڑبڑ پر نظریں گہری　　غضب کے ہیں یہ کاریگر بھی
چپکے سے برسات گئی تو　　چھتری اس کے ساتھ گئی لو

جب جب دھندا پڑا ہے مندہ　　چاچا نے تب بدلا دھندا
چابی گم ہوجائے جب بھی　　چاچا جی کو ڈھونڈیں سب ہی
بن تالے کی چابی لاؤ　　ہر تالے کی چابی پاؤ

ساری چیزیں ان سے بولیں　　اپنے جی کا دکھڑا رولیں
ہر شے کا یہ کریں علاج　　اس پیشے میں ان کا راج
چھتری، تالے، کولر والے　　چاچا ہیں اک بڑے نرالے

■

Dr. Mohd Asadullah
30, Gulsitan Colony
Near Panday, Umrai Lane
Nagpur - 440013 (Maharashtra)

اردو زبان

چھٹی قسط

اردو زبان کا جادو

پیارے دوستو! 'بچوں کی دنیا' آپ سب کا اپنا رسالہ ہے۔ ہماری کوشش رہتی ہے کہ رسالے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد تحریریں شائع کی جائیں۔ اِس رسالے کی اشاعت کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زبان اردو کو فروغ دیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس زبان کو سیکھیں۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے اگر اس میں کھیل اور مزے کو شامل کرلیا جائے تو سیکھنے میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ ہم اردو زبان کے لسانی کھیلوں پر مشتمل ایک سلسلہ دے رہے ہیں جو قومی اردو کونسل سے شائع کتاب 'اردو زبان کا جادو' سے لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ سب اس سلسلے کو پسند کریں گے۔ (ادارہ)

اِس ذہنی آزمائش کے جوابات اِسی شمارے میں آپ کو مل جائیں گے۔

(6) شکل الگ آواز ایک جیسی

مقصد : ایک آواز والے مختلف حروف کی پہچان

ہدایت : جدول میں پندرہ حروف دیے گئے ہیں۔ ان میں سے گیارہ حروف ایسے ہیں جو اپنی آواز کی یکسانیت کی وجہ سے چار گروپوں میں بٹے ہوئے ہیں اور چار حروف ایسے ہیں جن کی کسی سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ دو کھلاڑی باری باری سے لکھیں گے۔ ایک کھلاڑی ایک حرف لے گا۔ دوسرے کھلاڑی کو اس حرف سے ملتی جلتی آواز والے حرف کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اگر 10 سیکنڈ میں وہ صحیح انتخاب کرے گا تو اسے 2 نمبر ملیں گے۔

ت	ن	ث	ح	خ
ھ	ط	ظ	ک	
ز	ض	س	ذ	ق	ص

■

مآخذ: اردو زبان کا جادو (پارٹ 1)، ادارہ، **سنہ اشاعت:** تیسری طباعت 2009، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

باتصویر کہانی

آخری قسط

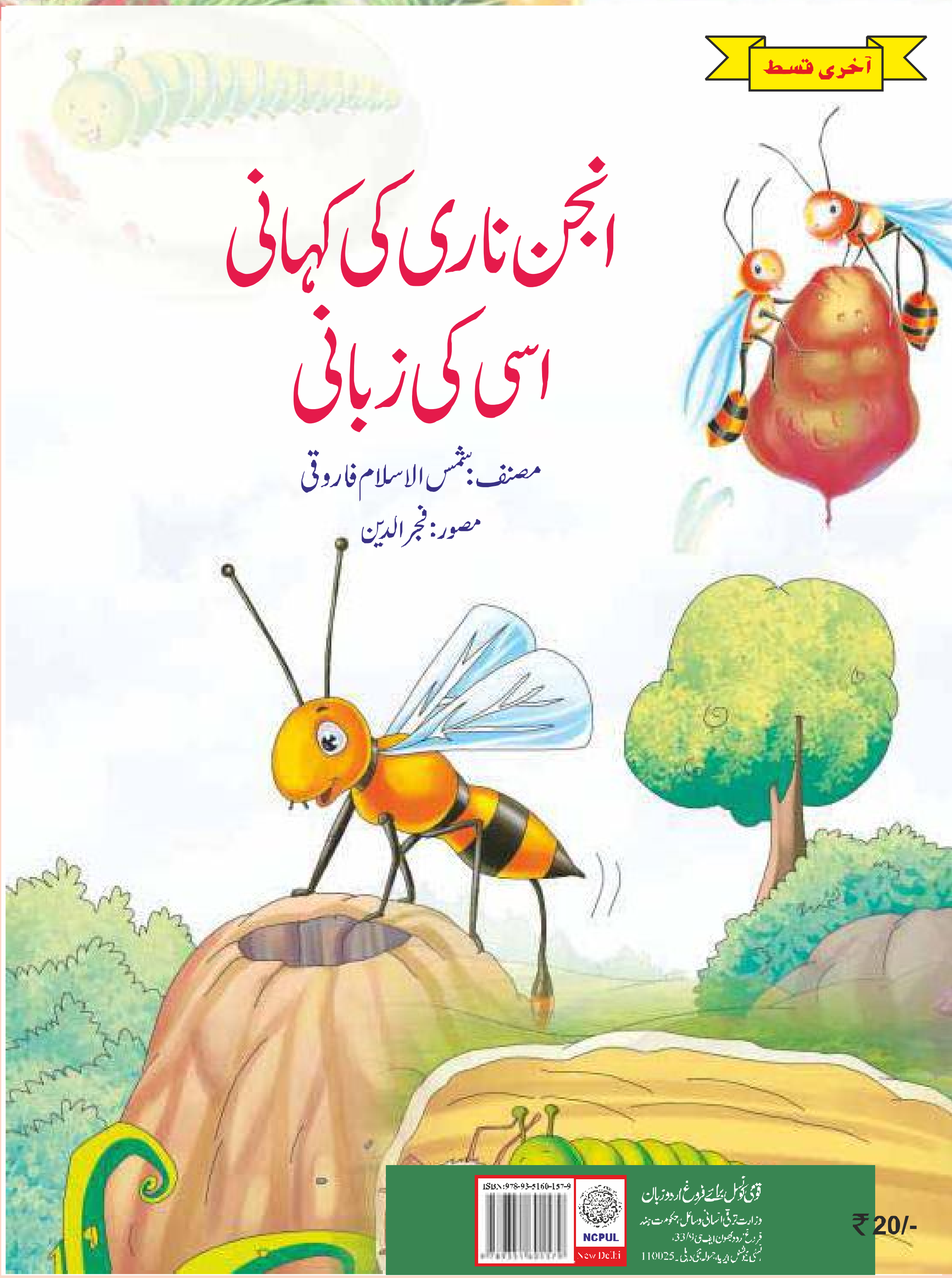

اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ پوچھوں اس نے مجھے دیکھ لیا اور دیکھتے ہی بولی: ''آؤ میری بیٹی تم ٹھیک تو ہو اور ہاں وہ مکڑی تمھیں کیسی لگی؟'' میں نے حیرت میں ڈوب کر اُس سے پوچھا: ''کیا آپ میری ماں ہیں، میری کوٹھری میں رکھی اس مکڑی کے بارے میں بھلا آپ کو کیسے پتا چل گیا؟'' وہ بولی: ''ہاں بیٹی میں ہی تمھاری ماں ہوں۔ ابھی کچھ دن پہلے میں نے ہی وہ گھر بنایا تھا اور وہ مکڑی بھی میں نے ہی وہاں رکھی تھی جس کے بعد میں نے ایک انڈا دے کر گھر کو بند کر دیا تھا کہ میرے انڈے یا مکڑی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

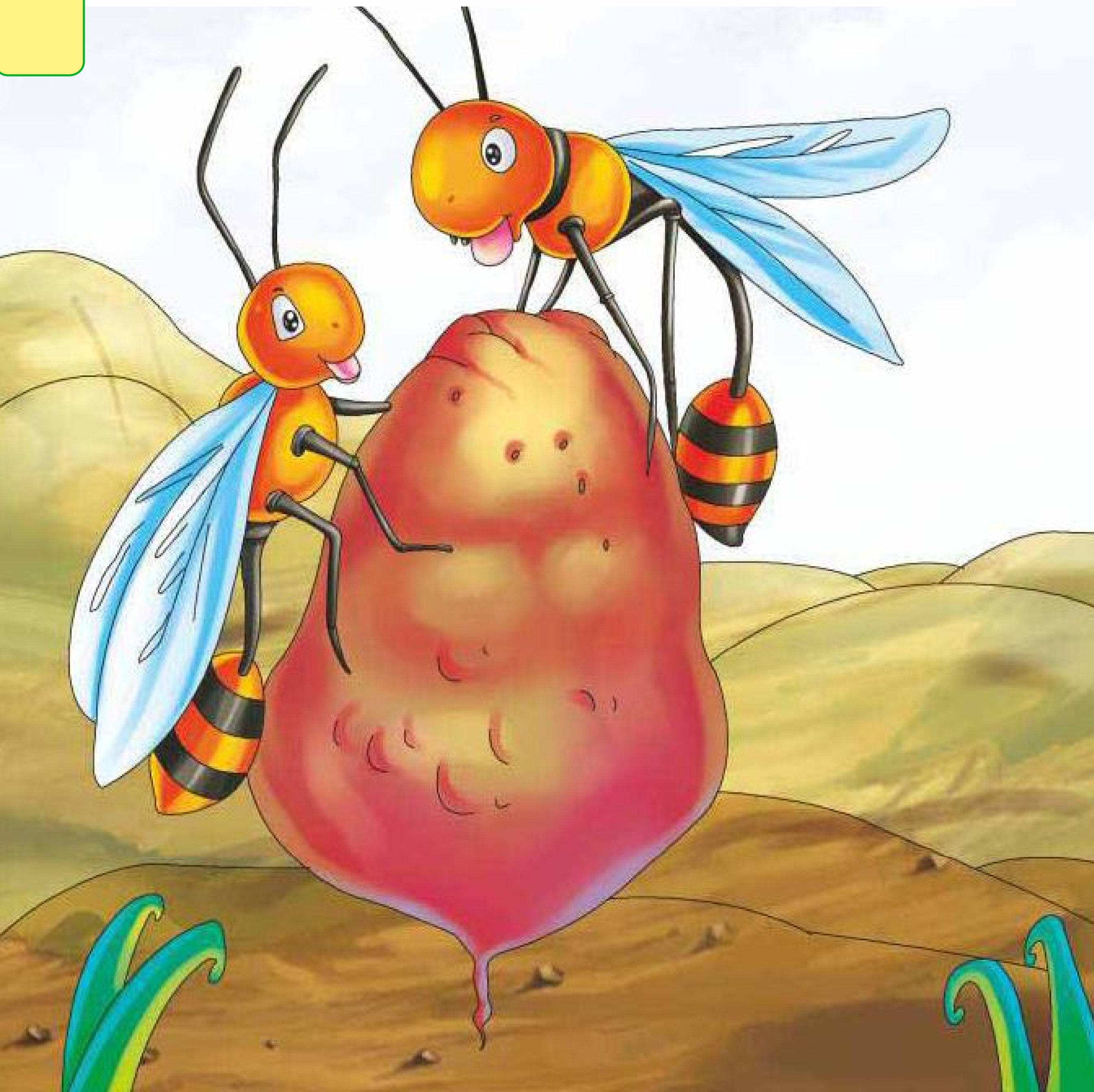

میں نے پوچھا: ''مگر اس کوٹھری میں تو میں بند تھی، وہاں کوئی انڈا تو تھا نہیں۔'' میری ماں نے سمجھایا: ''بیٹی اُس انڈے کے اندر تم ہی تو تھیں۔ میں جانتی تھی جب تم انڈا توڑ کر باہر نکلو گی تو تمھیں بھوک لگے گی اسی لیے میں نے وہ مکڑی اپنے ڈنک سے بے ہوش کر کے وہاں رکھ دی تھی تاکہ تم اسے کھا کر اپنی بھوک مٹاؤ اور بڑی ہو جاؤ۔ مجھے معلوم تھا کہ بڑی ہونے اور میری شکل کی بننے کے بعد تم گھر کی دیوار توڑ کر خود ہی باہر نکل آؤ گی پھر میری طرح تم بھی یہ سب کام کرنے لگو گی۔

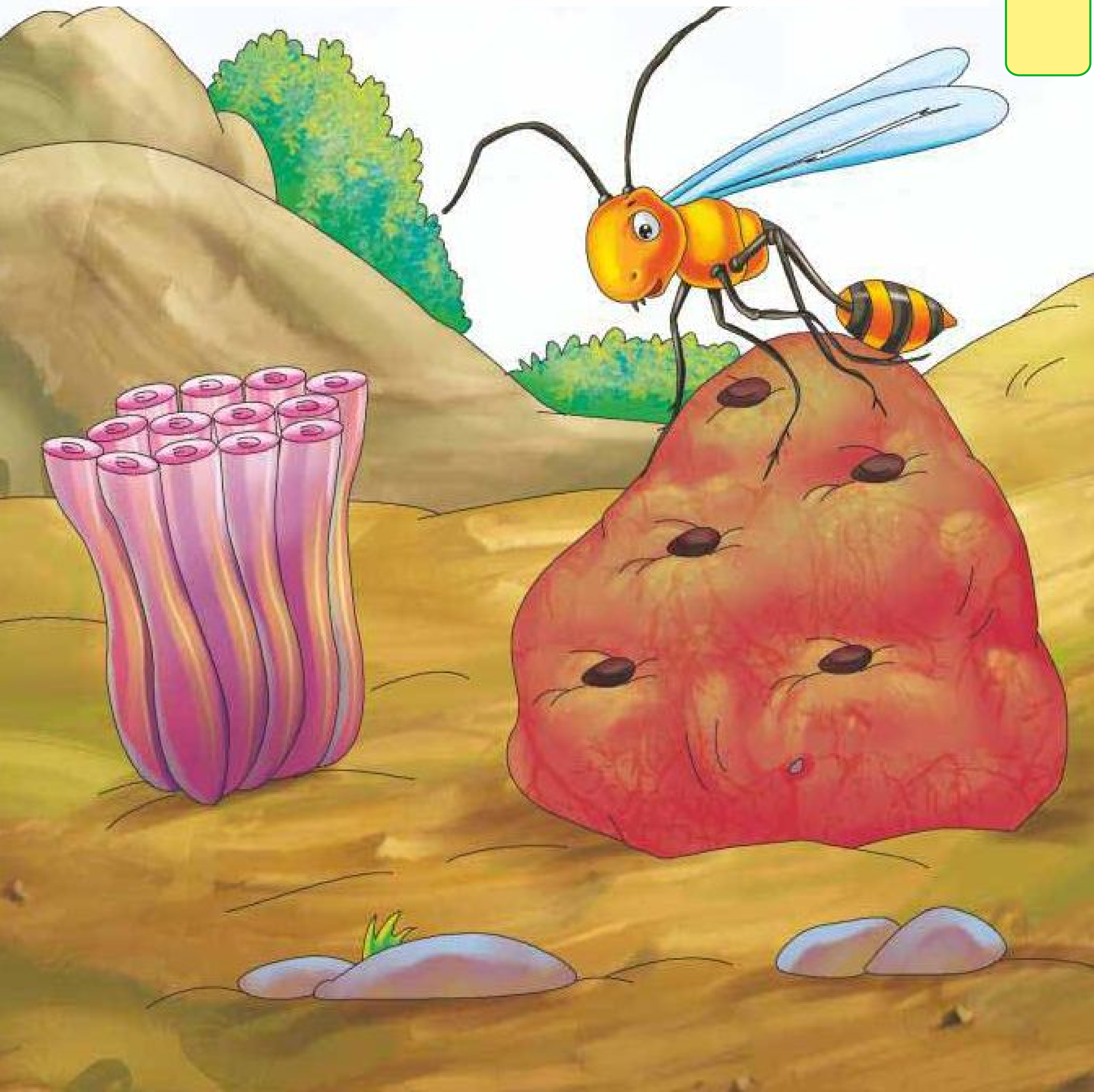

میں نے اپنی ماں سے حیرت سے پوچھا: ''ماں سب کام کرنے سے تمھارا کیا مطلب ہے؟'' میری ماں نے بتایا: ''سب کاموں کا مطلب ہے مٹی سے گھر بنانا، مکڑیاں یا دوسرے کیڑے جیسے لاروؤں وغیرہ کا شکار کرنا اور گھر میں لا کر رکھنا، انڈے دینا اور پھر گھر کو بند کر دینا۔'' میں نے کہا: ''مگر ماں میں تو یہ کام جانتی نہیں پھر بھلا کروں گی کیسے؟'' ماں بولی: ''گھبراؤ مت بیٹی، میں تمھیں بتاتی ہوں۔ دیکھو اس گھر کے باہر پھولوں کی ایک کیاری ہے۔ اس کی مٹی نرم ہے جسے تم منہ میں بھر کر لا سکتی ہو۔ اُس میں اپنے منہ کا لعاب ملا کر گوندھو گی تو وہ گھر بنانے کے قابل ہو جائے گی۔ تھوڑی تھوڑی مٹی لا کر تم پہلے ایک کوٹھری بنانا پھر مکڑی یا کوئی لاروا پکڑ کر لانا اور ایک انڈا دے کر اسے بند کر دینا۔ پھر اس کے برابر میں دوسری کوٹھریاں بنا کر یہی کام دہرانا۔ جب کئی کوٹھریاں بن جائیں تو ان سب کو مٹی کی مدد سے بند کر دینا۔ تم جو مکڑی یا کیڑا اپنے ڈنک سے بے ہوش کر کے لاؤ گی وہ بے ہوش ہی رہے گا مرے گا نہیں اور اس طرح تمھارے انڈے سے نکلنے والے لاروے کو تازہ گوشت کھانے کو ملے گا۔''

ماں نے اتنی اچھی طرح سمجھایا تھا کہ بات پوری طرح میری سمجھ میں آ گئی۔ اب میں بھی مٹی کا گھر بنانے اور اپنے ہونے والے بچوں کے لیے شکار لانے جا رہی ہوں۔

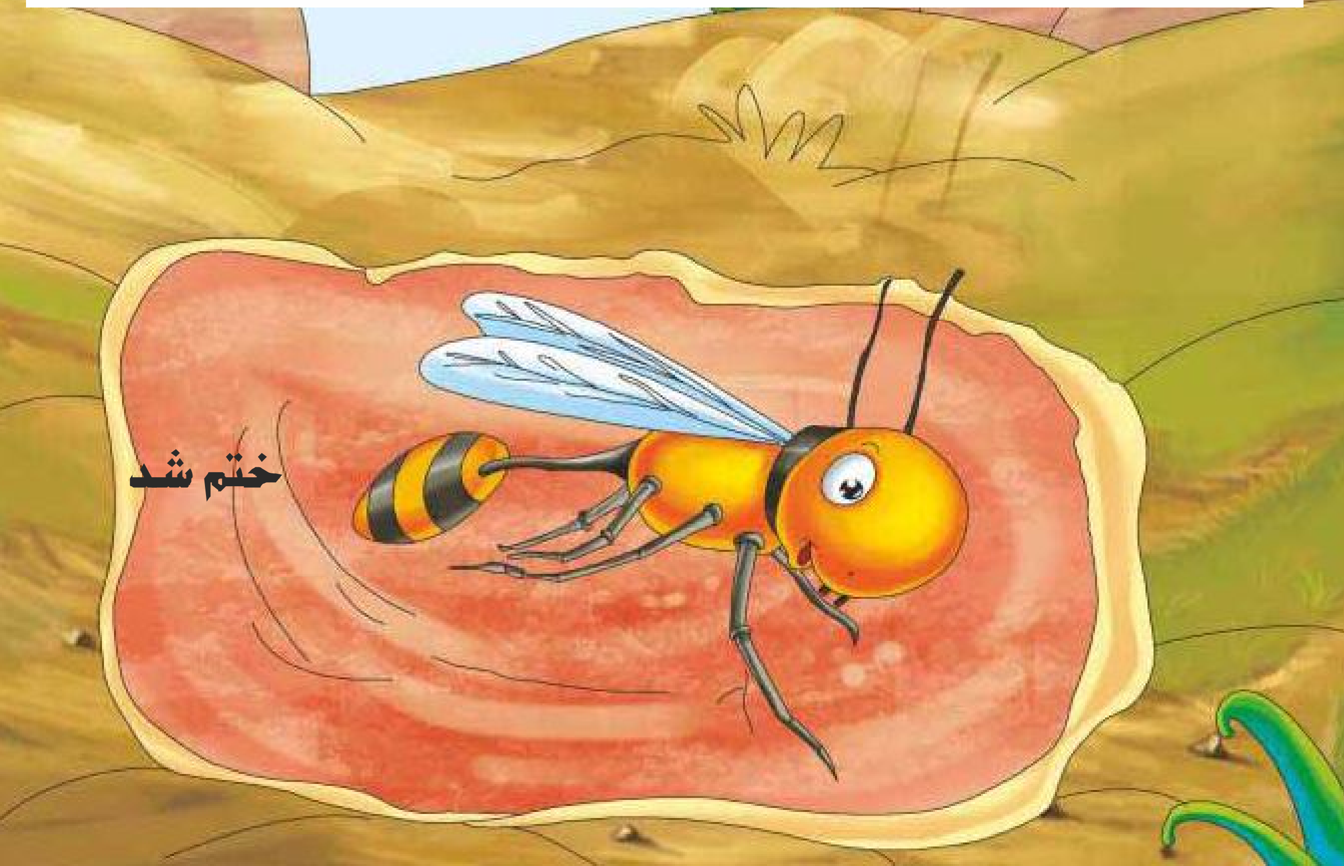

ختم شد

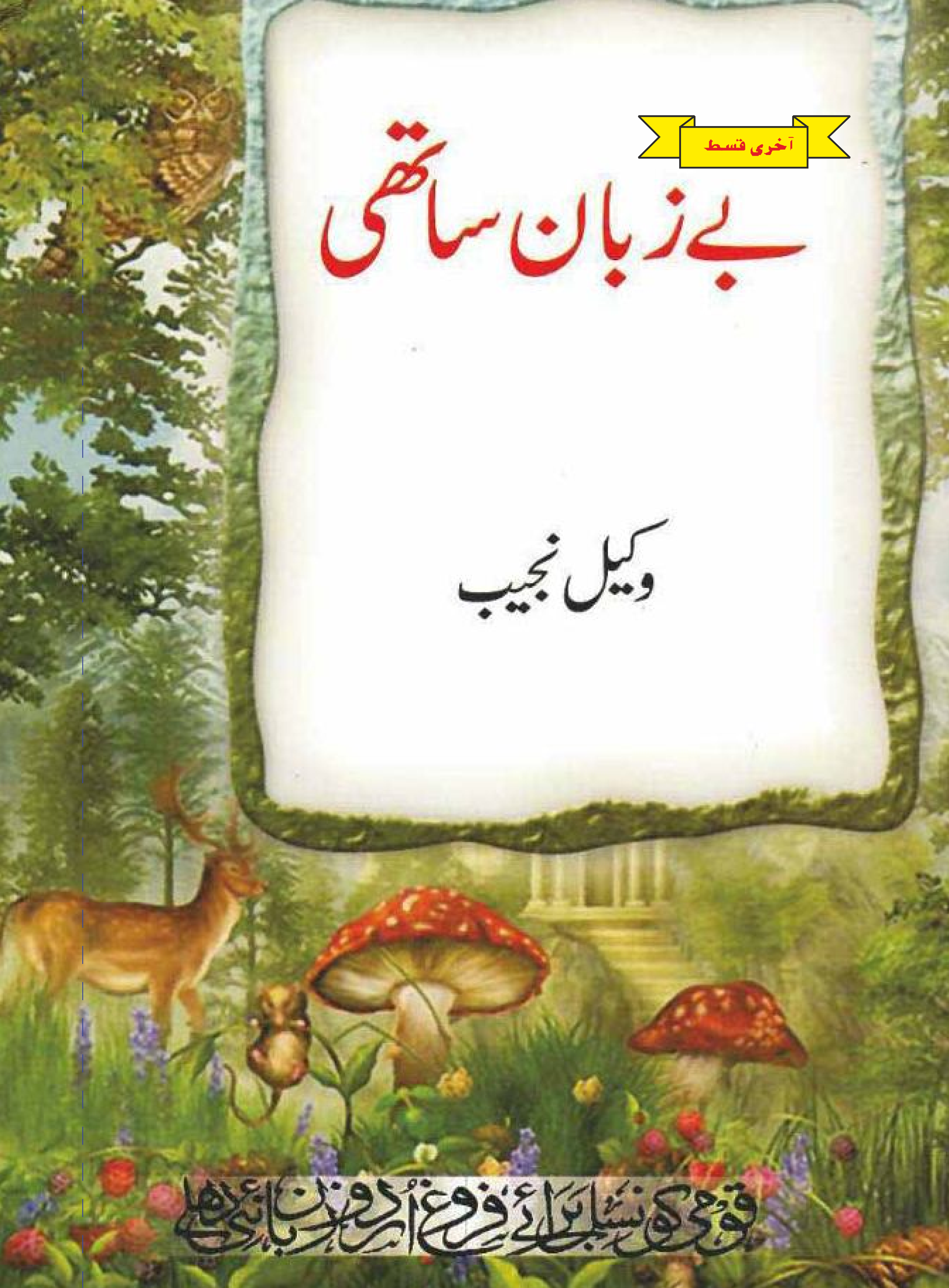

آخری قسط

بے زبان ساتھی

وکیل نجیب

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پیارے دوستو! ابھی تک آپ نے پڑھا کہ ایک گاؤں میں خدیجہ نام کی ایک غریب عورت رہتی تھی۔ اُس کا ایک بیٹا جنید تھا۔ جنید کے گاؤں پر ڈاکوؤں نے حملہ کردیا اور اس کی ماں کو مار دیا۔ جنید نے اس حادثے کے بعد گاؤں چھوڑ دیا اور سفر پر روانہ ہوگیا۔ وہ ایک جنگل میں پہنچتا ہے جہاں اسے ایک بزرگ آدمی ملتا ہے۔ بوڑھے آدمی نے جنید کو کھانا دیا۔ جنید نے اپنے کھانے میں سے تھوڑا سا حصہ وہاں کھڑے ایک کتے کو بھی کھلا دیا۔ جنید پھر جنگل کا رخ کرتا ہے۔ وہ کتا بھی اس کے ساتھ چل پڑتا ہے جس کو جنید نے کھانا کھلایا تھا۔ جنگل میں ایک گھوڑے کو جنگلی جھاڑیوں میں پھنسا ہوا دیکھ کر جنید اور کتے نے اس گھوڑے کی مدد کی۔ گھوڑا بھی اب جنید کا ساتھی بن گیا۔ کچھ دور چلنے پر جنید کو ایک تلوار ملتی ہے۔ یہ تینوں لوگ جنگل کے راستے پر بڑھتے جاتے ہیں۔ آگے ایک ندی پر جنید پانی پینے کے لیے رکا۔ اسی درمیان پیچھے سے ایک خونخوار شیر کے دہاڑنے کی آواز آئی۔ شیر جنید پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ کتے نے شیر پر حملہ کردیا لیکن بے چارہ کتا بے موت مارا گیا۔ جنید نے تلوار سے شیر کو مار گرایا۔ آگے کے سفر میں جنید کو ایک زخمی باز ملا جس کی مرہم پٹی کرنے کے بعد جنید نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ جنگل سے گزر کر ایک میدانی علاقے میں پہنچنے پر جنید کو ایک بوڑھا بیمار مداری ملتا ہے۔ جنید نے اس بوڑھے مداری کی مدد کی اور اسے دوا لا کر دی۔ بوڑھے مداری کو جنید اپنے گھر پر ہی روک لیتا ہے۔ جنید اپنے ساتھ گزرے واقعات سناتا ہے جسے سن کر بوڑھا، جنید کو بادشاہ کے دربار میں لے جاتا ہے۔ بادشاہ نے گھوڑے اور تلوار کو پہچان لیا کہ یہ اس کے شہزادے کی ہے۔ بادشاہ اور پورا شہر سوگ میں ڈوب گیا کہ شہزادے کو جنگل میں کسی جنگلی جانور نے مار دیا۔ دربار سے واپس آ کر جنید بوڑھے مداری اور اس کے بندر کے ساتھ رہنے لگا اور کھیل تماشے دکھانے لگا۔ دو مہینوں کے بعد بوڑھے مداری کی موت ہوجاتی ہے۔ اب جنید ہی بوڑھے مداری کا وارث تھا۔ وہ اکیلا بندر اور باز کے ساتھ تماشے دکھاتا اور جو بھی ملتا اس میں گزر بسر کرتا۔

ایک دن اُس نے بازار میں اعلان سنا کہ ملکہ شہزادے کی موت کی خبر سن کر بہت بیمار ہوگئی ہے اور اس کا علاج زہریلی پہاڑی سے کندن بوٹی لا کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ جنید یہ سن کر زہریلی پہاڑی کے سفر پر نکلنے کی ٹھان لیتا ہے۔ جنید راج محل میں جا کر راجہ کو خبر دیتا ہے کہ وہ کندن بوٹی لانے جارہا ہے۔ بادشاہ جنید کو اس خطرناک سفر پر جانے سے روکتا ہے لیکن جنید اپنے دوستوں بندر اور باز کو لے کر اس خطرناک سفر پر نکل پڑتا ہے۔ چلتے چلتے جنید ایک اونچے پہاڑ کے پاس پہنچا جس کی گہرائی میں ایک گہرا دریا بہہ رہا تھا۔ باز اور بندر کی مدد سے وہ لوہے کے تار کے سہارے پہاڑ پر پہنچتا ہے اور وہاں سانپوں اور اژدہے سے مقابلے کے بعد کندن بوٹی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ واپسی پر جنید سے دو ڈاکوؤں کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ کندن بوٹی چھین کر فرار ہوجاتے ہیں لیکن جنید اپنے دوستوں باز اور بندر کی مدد سے کندن بوٹی دوبارہ حاصل کرلیتا ہے اور راجہ کے حوالے کرنے کے لیے واپسی کے سفر پر نکل پڑتا ہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد اُسے بھوک لگی تو اس نے کھانا کھایا اور وہیں بیٹھ کر آرام کرنے لگا۔ اتنے میں اُسے ایک آدمی کسی طرف جاتا ہوا دکھائی دیا۔ اس آدمی کا پیچھا کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بھی ڈاکوؤں کا ساتھی ہے۔ جنید پیچھا کرتے ہوئے ڈاکوؤں کے اڈے پر پہنچتا ہے اور ڈاکوؤں کی پکڑ میں آجاتا ہے۔ بہت مشکل سے اپنے بے زبان ساتھیوں کی مدد سے وہ قید سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔ ڈاکوؤں کے پاس ایک صندوق تھا جس میں اُسے اپنی ماں کی چوڑیاں نظر آتی ہیں جس سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکوؤں نے اسے اس کی ماں کا قتل کیا تھا۔ اب جنید ڈاکوؤں سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اب آگے.....

ڈاکوؤں کو اپنے منصوبے میں بھرپور کامیابی ہوئی اور انھیں بہت زیادہ اور بڑا قیمتی سامان ملا۔ وہ اپنی کامیابی کے نشے میں مَست، خوشی خوشی، اِدھر اُدھر سے بے خبر، بڑی تیزی کے ساتھ چلے آرہے تھے کہ یکا یک جنید کے بچھائے ہوئے جال میں

پھنس گئے۔ اندھیرے اور بے خیالی میں تار تو کسی کو دکھائی نہیں دیا، اس میں الجھ کر تمام گھوڑے اس بری طرح گرے کہ پتھروں سے ٹکرا کر ڈاکوؤں کو ایسی چوٹ آئی کہ بہت سے اُسی وقت بے ہوش ہو گئے اور جو بے ہوش نہیں تھے وہ اس قابل نہیں تھے کہ اٹھ سکیں۔ جنید تو اسی انتظار میں بیٹھا اللہ میاں سے دعائیں مانگ رہا تھا۔ ان سب کے گرتے ہی جھٹ سے آیا اور ان سب کے ہاتھ پیر تار سے مضبوطی سے باندھ دیے اور جو ڈاکو بے ہوش نہیں ہوئے تھے، ان کا گلا دبا کر انھیں بھی بے ہوش کر دیا، تاکہ کچھ دیر تک وہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑے رہیں۔ یہ سب کرنے کے بعد ایک ایسا گھوڑا چنا، جسے کم سے کم چوٹ آئی تھی اور جو سب سے زیادہ مضبوط اور تیز تھا، اس پر ہیرے جواہرا کی بوری رکھی اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ سوار ہو کر شہر کی طرف تیزی سے روانہ ہو گیا۔ بالآخر سورج نکلتے نکلتے شہر پہنچ گیا۔ سیدھا راجہ کے محل گیا اور دربان سے راجہ کو خبر بھجوائی کہ وہ کندن بوٹی لے کر آیا ہے۔ راجہ بڑی بے چینی سے جنید کا انتظار کر رہا تھا، اس نے فوراً ہی جنید کو اندر بلا لیا۔ جنید کو اپنی کامیابی پر اتنی خوشی تھی کہ اسے محل کے آداب کا بھی خیال نہیں رہا۔ اس نے سب سے پہلے راجہ کو لوٹا پیش کیا اور کہا کہ اس میں کندن بوٹی ہے، اس کے بعد جلدی جلدی ڈاکوؤں کا قصہ بیان کیا اور ہاتھ جوڑ کر درخواست کی کہ: حضور! ان کی گرفتاری کے لیے ابھی سپاہیوں کو بھیج دیجیے۔ راجہ نے فوراً ہی اپنے سب سے بڑے حکیم کو بلوا کر اُسے کندن بوٹی دی اور رانی کے علاج کا حکم دیا، اس کے بعد ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لیے، جنید کے بنائے ہوئے نشان پر بہت سے سپاہیوں کو روانہ کر دیا۔

محل کے لوگ دیر تک سونے کے عادی تھے، لیکن کندن بوٹی کی خوشی میں سارا محل جاگ اٹھا اور تمام لوگ جنید کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ جنید کو کچھ کھانے پینے کے بعد، جب ذرا سکون ملا تو اس نے تفصیل سے بوٹی کو حاصل کرنے اور ڈاکوؤں سے مڈبھیڑ کی کہانی سنائی اور ان کے غار سے جو زیورات اور جواہرات ملے تھے، انھیں راجہ کو دکھلایا۔ انھیں زیورات میں ایک بہت خوبصورت ہار اور ایک بہت قیمتی خنجر تھا۔ جب راجہ کی ان پر نظر پڑی تو انھیں اٹھا لیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ انھیں دیکھ کر اس کی عجیب حالت ہوئی۔ انھیں بار بار چومتے اور بے چینی کے ساتھ ٹہلنے لگا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر لوگ بہت حیران تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے چینی کی وجہ کیا ہے۔

اس وقت دربار برخاست کر دیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ شام کو دوبارہ دربار لگایا جائے گا۔ شام کو جب دوبارہ دربار لگا تو اس وقت تک تمام ڈاکو گرفتار کر کے لائے جا چکے تھے۔ بھرے دربار میں انھیں حاضر کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب وہ راجہ کے حضور میں پیش کیے گئے تو وہ ہار اور خنجر، جنھیں لوٹے ہوئے قیمتی سامان سے راجہ نے نکالا تھا، ڈاکوؤں کے سردار کو دکھلا کر پوچھا: یہ دونوں چیزیں تم کو کہاں سے کیسے ملی تھیں؟ ڈاکو ان کو دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگے اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگے۔ سردار نے ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر کہا:

دو مہینہ پہلے کی بات ہے ہم رام نگر میں ڈاکہ ڈالنے جا رہے تھے تو جنگل میں شہزادہ صاحب ہمیں بالکل اکیلے مل گئے۔ انھوں نے ہمیں دیکھ کر تلوار نکال لی اور ہم پر حملہ کر دیا۔ ہم نے بھی مقابلہ کیا، اس لڑائی میں شہزادہ صاحب مارے

گئے۔ ہم نے ان کی تلوار وہیں چھوڑ دی اور ان کا یہ خنجر اور ہار ساتھ لے کر رام نگر میں ڈاکہ ڈالنے چلے گئے جہاں پر اس لڑکے کی ماں نے ہمیں ڈاکہ ڈالنے سے بہت روکنا چاہا جس پر شنگو نے اسے مار ڈالا اور اس کی دونوں چوڑیاں ہاتھوں سے نکال لیں جو اس لڑکے کے پاس ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ سلامت غصے سے بے قابو ہو گئے اور انھوں نے برج پر پہنچ کر اعلان کیا۔ شادان سلطنت کے باشندو! یہ ڈاکو صرف امیروں کے ہی نہیں غریبوں کے بھی دشمن ہیں۔ جنید کی ماں نے ان کا کیا بگاڑا تھا۔ اسے مار ڈالا۔ انھوں نے ہمارے شہزادے عبید کو جنگل میں اکیلا دیکھ کر قتل کر دیا۔

اور نہ جانے کتنے خون ان کی تلواروں سے ہوئے ہوں گے، لہٰذا آج اس دربارِ عام میں ان تمام ڈاکوؤں کو قتل کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ آئندہ کوئی اس قسم کی حرکت کرنے کی جرأت نہ کرے۔

پھر جنید کی طرف اشارہ کر کے کہا، اس نوجوان لڑکے کی وجہ سے ہمارے بیٹے عبید کی نشانیاں اور اس کی لاش ملی۔ رانی صاحبہ اپنے جگر کے ٹکڑے کی لاش دیکھ کر بے ہوش ہو گئیں۔ حکیموں نے بتلایا کہ ان کو ہوش میں لانے کی صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ان کو کندن بوٹی کا رَس دیا جائے۔ اس بوٹی کو حاصل کرنا بڑا مشکل کام تھا مگر اس نوجوان نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر یہ بوٹی حاصل کی۔ اس نے نہ صرف کندن بوٹی حاصل کی بلکہ ان خطرناک ڈاکوؤں کو بھی گرفتار کرایا اور ان کا لوٹا ہوا کروڑوں روپے کا خزانہ بھی صحیح سلامت ہم تک پہنچا دیا۔ ہم اس نوجوان کے حوصلے اور ایمانداری کی

داد دیتے ہیں۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ اس لڑکے کا نام جنید ہے اور ہمارے بیٹے کا نام عبید تھا۔ آج ہم اسے اپنے بیٹے کا نام دیتے ہیں اور اسے اپنا بیٹا بناتے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ شادان سلطنت کے لیے ایک ایسے ہی جیالے، بہادر، نڈر، بلند حوصلہ اور ایماندار شہزادے کی ضرورت ہے لہٰذا آج اس دربارِ عام میں اعلان کرتا ہوں کہ میرے بعد اس سلطنت کا وارث یہی نوجوان ہوگا۔ ایک بات اور بتا دینا چاہتا ہوں کہ صرف اس کا نام ہی ہمارے بیٹے سے نہیں ملتا جلتا ہے بلکہ اس کی شکل بھی ہمارے بیٹے سے ملتی جلتی ہے۔ اب اس کی تعلیم شاہی طریقے سے ہوگی اور ہم اس کو اس قابل بنائیں گے کہ ملک کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں آئے۔ تو یہ اپنی رعایا کو آرام دے سکے۔ اس کے بعد راجہ نے اپنے ساتھ ایک خالی کرسی پر جنید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وزیرِاعظم کھڑے ہوکر دربارِ عام کے ختم ہونے کا اعلان ہی کرنے والے تھے کہ اچانک ایک بگھی آ کر رکی اور اس میں سے رانی صاحبہ اُتر کر باہر آئیں۔

تمام لوگوں نے ادب سے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ پورا مجمع خاموش ہوگیا۔ رانی صاحبہ آہستہ آہستہ برج میں پہنچیں۔ سبھی لوگ خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ رانی صاحبہ جنید کے قریب پہنچ کر رک گئیں اور رندھے ہوئے لہجے میں کہا ''عبید میرے بیٹے تم کہاں چلے گئے تھے ہمیں چھوڑ کر، وعدہ کرو کہ اب ہمیں چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤ گے، کہیں نہیں جاؤ گے، اتنا کہہ کر انھوں نے جنید کو گلے سے لگالیا۔ رانی صاحبہ کی ممتا دیکھ کر سب کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ جنید بھی ان کی محبت دیکھ کر رونے لگا اور کہا ''نہیں رانی صاحبہ اب میں کہیں نہیں جاؤں گا کبھی نہیں جاؤں گا۔ سدا آپ کے ساتھ رہوں گا، آپ کے پاس رہوں گا۔ دونوں گلے مل کر روتے رہے۔ تبھی بادشاہ سلامت نے ان دونوں کو الگ کیا۔ رانی صاحبہ پیچھے بیٹھ گئیں اور جنید بھی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد وزیرِاعظم نے بادشاہ سلامت اور رانی صاحبہ کو بیٹے کی واپسی پر مبارک باد دی اور تمام لوگ شہزادہ عبید زندہ باد، شہزادہ عبید زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔ جب نعرے ختم ہوئے تو وزیرِاعظم نے اعلان کیا کہ اِس مسرت کے موقعے پر تین دن تک شادان سلطنت کے کسی گھر میں چولھا نہیں جلے گا۔ امیر غریب سب کو دعوت دی جاتی ہے۔ اپنا اپنا توشہ تین دن تک یہاں سے لے کر جائیں گے اور بادشاہ ورانی صاحبہ کے حق میں دعا کریں گے۔

اس کے ساتھ ہی دربارِ عام کے ختم ہونے کا اعلان کیا گیا۔ تمام لوگ بادشاہ سلامت زندہ باد، شہزادہ عبید زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوگئے اور بادشاہ سلامت، رانی صاحبہ اور جنید ایک بگھی میں سوار ہوکر محل کی طرف روانہ ہوئے۔ بگھی کے پیچھے بندر اور بگھی کے اوپر باز بیٹھا ہوا تھا۔

اس طرح اپنے دو بے زبان ساتھیوں کے ساتھ جنید محل میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔

ختم شد

■

ماخذ: بے زبان ساتھی، **مصنف:** وکیل نجیب، **سنہ اشاعت:** چوتھی طباعت 2014، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

خیر النسا مکاندار

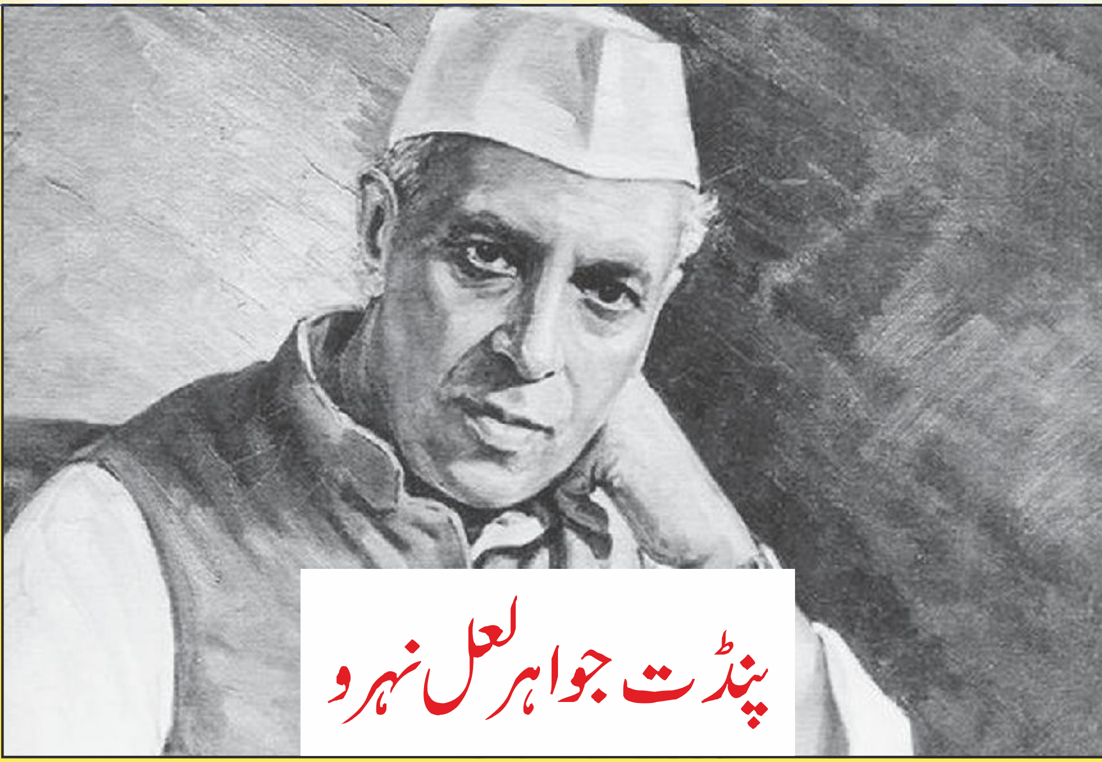

پنڈت جواہر لعل نہرو

پنڈت جواہر لعل نہرو 14 نومبر 1889 کو الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام پنڈت موتی لعل نہرو تھا۔ والدہ کا نام سروپ رانی۔

پنڈت نہرو کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ آپ بچپن میں اپنے چچازاد بھائیوں سے انگریزوں کے قصے سنتے تھے۔ زیادہ تر ہندوستانیوں پر انگریزوں کی ناانصافیوں سے متعلق بحث ہوتی تھی۔ نہرو جی کے دل میں بھی انگریزوں کی بدسلوکی کا بدلہ لینے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کا خیال پیدا ہوا۔ نہرو جی نے تحریک آزادی میں گاندھی جی کا ساتھ دیا۔ اس تحریک میں مولانا ابوالکلام آزاد، سردار ولبھ بھائی پٹیل، محمد علی جوہر، شوکت علی، حسرت موہانی اور بہت سارے علما بھی شامل تھے۔ ان رہنماؤں کی جدوجہد سے ہمارا ملک ہندوستان 15 اگست 1947 کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا۔ آزادی ملنے کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو کو ہمارے ملک کا پہلا وزیر اعظم بنایا گیا۔

پنڈت جواہر لعل نہرو بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ بچے بھی انھیں بہت چاہتے تھے اور آج بھی چاہتے ہیں۔ بچے انھیں پیار سے 'چاچا' پکارتے تھے اور آج بھی چاچا نہرو کہہ کر جانتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک بچے نے انھیں گلاب کا پھول دیا تو انھوں نے اس گلاب کو اپنے سینے پر سجا لیا۔ ان کا کہنا تھا کہ بچے پھول کی طرح ہوتے ہیں۔ بچوں کی محبت کی وجہ سے ان کے یوم پیدائش کو یوم اطفال کے طور پر منایا جاتا ہے۔

■

Khairun Nisa Makandar
Sarkari Urdu Madarsa No 2
Bailhongal (Karnataka)

عابد علی خاں

دوستی

اجے اور سنجے ایک کلاس کے طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے گہرے دوست بھی تھے۔ جہاں ایک طرف اجے پوری جماعت میں بہت ہی ذہین مانا جاتا تھا وہیں بے چارے سنجے کی یہ حالت تھی کہ پڑھائی کے نام سے ہی اس کے پسینے چھوٹنے لگتے تھے۔ ایک اچھا دوست ہونے کے ناطے اجے ہمیشہ ہی سنجے کو دل لگا کر پڑھنے کی صلاح دیتا رہتا۔ مگر سنجے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا۔

وقت گزرتا گیا، دیکھتے دیکھتے امتحانات سر پر آگئے۔ اب کیا تھا سنجے کی حالت خراب ہونی شروع ہوگئی تھی۔ پورے سال میں کچھ پڑھا ہوتا تو کام آتا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ پاس نہ ہو پایا تو اس کے سبھی ساتھی اسے چڑھائیں گے جن سے وہ پورے سال الٹے سیدھے مذاق کرتا رہا تھا، اور دوسری طرف اس کے فیل ہوجانے سے اس کا سنجے سے بھی ساتھ چھوٹ جائے گا۔

دیکھتے دیکھتے وقت اور قریب آتا گیا۔ اب ڈیٹ شیٹ اس کے ہاتھوں میں تھی۔ اگلے ہی روز انگریزی کا امتحان تھا۔ جس سے سنجے کو سب سے زیادہ ڈر لگتا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے... کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے اپنی سائیکل اٹھائی اور اجے کے گھر کی طرف چل دیا۔

اس نے اجے کو اپنی ساری پریشانی بتائی اور دوستی کا تقاضہ دے کر اس سے مدد مانگی..... اجے اسے انکار نہ کرسکا..... اتفاق سے دونوں کے رول نمبر بھی ساتھ ساتھ ہی تھے۔ آخر دونوں نے نقل کرنے کی ایک ترکیب نکال ہی لی... اب سنجے بڑی بے فکری سے اپنے گھر کی طرف واپس چل دیا۔

اگلے ہی روز سنجے ٹھیک وقت پر امتحان حال میں پہنچ چکا تھا مگر اپنے آگے کی سیٹ پر اجے کو نہ دیکھ کر اس کی حالت خراب ہونے لگی اور اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اس کے دل و دماغ میں بار بار یہی سوال اٹھ رہا تھا کہ آخر اجے امتحان دینے کیوں نہیں آیا۔

امتحان شروع ہوچکا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کو

یاد کیا۔ اسے جو کچھ بھی یاد تھا لکھتا گیا۔ پورے اطمینان اور سوچ سمجھ کے ساتھ اس سے جتنا بھی بن پایا اس نے پرچے میں لکھ دیا۔

جیسے ہی امتحان ختم ہوا وہ سیدھا اجے کے گھر پہنچا اور ایک ساتھ سیکڑوں کھری کھوٹی اسے سنا دیں۔ اجے نے اسے شانت کیا اور وہ اس سے پرچے میں آئے سوالات کے بارے میں پوچھتا رہا..... کچھ دیر بعد خاموش رہنے کے بعد اجے نے کہنا شروع کیا۔

''میں جان بوجھ کر امتحان دینے نہیں آیا تھا کیونکہ میں تمھارے اندر چھپی صلاحیت کو باہر نکالنا چاہتا تھا۔ اگر میں آج تمھیں نقل کروا دیتا تو تمھیں ہمیشہ ہی دوسروں کے سہارے چلنے کی عادت ہو جاتی۔ ویسے بھی تم نے آج بہت اچھا پرچہ کیا ہے۔

''سچ کہہ رہے ہو اجے۔'' سنجے خوش ہوتے ہوئے بولا۔

''ہاں سنجے تم نے جن سوالوں کے جواب مجھے سنائے ہیں ان میں سے بہت سے سہی ہیں۔''

''سچ مچ تم نے آج میری آنکھیں کھول دیں۔ میرے لیے تم نے اپنا پرچہ چھوڑ کر بہت بڑی قربانی دی ہے۔ میں آج سے دل لگا کر پڑھوں گا اور ہمیشہ اپنی محنت سے امتحان پاس کروں گا۔'' سنجے نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

اجے یہ سن کر دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا تھا کہ اس کی محنت بے کار نہیں گئی۔

■

Abid Ali Khan
Maler, Sadewala
Malerkotla - 148023 (Punjab)
Mob.: 09988627308

دانائی کی باتیں

★ انسان کی طبیعت کا حال اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے معلوم ہوتا ہے، بڑے بڑے کاموں سے نہیں کیونکہ بڑے کام وہ بہت سوچ بچار کے بعد کرتا ہے اور بعض اوقات اس کے میلان کے بالکل برخلاف ہوتے ہیں۔

(افلاطون)

★ بدطینت وہ ہے جو لوگوں کے عیب ظاہر کرے مگر نیکیاں چھپائے۔ (افلاطون)

★ جو چیز حاصل نہیں ہو سکتی اس کی خواہش کرنا فضول ہے۔

(افلاطون)

★ تجربہ ہمارا ایسا دوست ہے جو ہمیں اس وقت ملتا ہے جب ہم کچھ کھو چکے ہوتے ہیں۔ (افلاطون)

★ انسان ایک ایسا پرندہ ہے جو بے پر ہونے کے باوجود قوت پرواز رکھتا ہے۔ (افلاطون)

★ حاکم وقت ایک بہت بڑے دریا کی مانند ہے، جس کا پانی چھوٹی ندیوں میں جاتا ہو، اگر بڑے دریا کا پانی شیریں ہے تو ندیوں کا پانی بھی شیریں ہوگا اور اگر دریا کا پانی تلخ ہوگا تو ندیوں کا پانی بھی تلخ ہوگا۔ (افلاطون)

★ ہر روز اپنا منہ آئینے میں دیکھا کرو۔ اگر بری صورت ہے تو برا کام نہ کرو تا کہ دو برائیاں جمع نہ ہوں اور اگر اچھی صورت ہے تو اس کو برا کر کے خراب نہ کرو۔

(افلاطون)

عبدالقیوم ماسٹر

انجام سوچ لو!

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایک راجا اپنے وزیروں، امیروں، دوستوں اور سپاہیوں کے ساتھ شکار کے لیے جنگل گیا۔ جنگل میں اسے ایک فقیر ملا۔ راجا اپنے گھوڑے سے اتر گیا اور ادب سے فقیر کو سلام کیا۔ اس نے فقیر سے درخواست کی ''مجھے کوئی اچھی سی نصیحت کی جائے تاکہ آئندہ زندگی میں کام آئے۔'' فقیر نے کہا کہ ایک نصیحت کروں گا بدلے میں پانچ سو سونے کی اشرفیاں لوں گا۔ منظور ہو تو بولو۔ راجا نے فقیر کی شرط منظور کر لی۔ فقیر نے راجا کو نصیحت کی ''کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے اپنا انجام سوچ لو۔'' راجا نے وزیر کو اشارہ کیا کہ فقیر کو پانچ سو سونے کی اشرفیاں دے دی جائیں۔ وزیر نے ناگواری سے اشرفیوں کی تھیلی فقیر کو دے دی۔ فقیر دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ وزیر نے راجا سے کہا ''حضور آپ نے یہ کیا کیا۔ ایک اتنی چھوٹی سی نصیحت کی اتنی بڑی قیمت فقیر کو دے دی۔'' راجا نے کوئی جواب نہیں دیا اور شکار کے لیے چل پڑا۔

دوسرے دن راجا نے وزیر کو بلا کر کہا۔ ''فقیر نے جو نصیحت کی تھی اسے لکھوا کر ایسی جگہ محل میں لگوا دو جس پر ہر آنے جانے والے کی نظر پڑے اور اس نصیحت کو پڑھے۔'' راجا کے حکم کے مطابق وزیر نے وہ نصیحت لکھوا کر محل میں لگوا دی۔

ایک دن راجا بیمار ہو گیا۔ یہ خبر پڑوسی راجا کو ہوئی جو کہ اس راجا کا دشمن تھا۔ اس نے اپنے جاسوس کے ذریعے شاہی حکیم کو لالچ دیا کہ دوا میں زہر ملا کر راجا کو کھلا دے۔ راجا مر جائے گا۔ اگر شاہی حکیم نے ایسا کیا تو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ لالچ بری بلا ہے۔ شاہی حکیم نے دوا میں زہر ملا دیا اور محل کی طرف چل پڑا۔ جب وہ محل میں پہنچا تو اس کی نظر اس جگہ پڑی جہاں لکھا ہوا تھا ''کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے اپنا

سید عبیداللہ ہاشمی

انجام سوچ لو۔'' نصیحت پڑھ کر شاہی حکیم نے سوچا۔ زہریلی دوا پی کر راجا تو مر جائے گا۔ مجھے منہ مانگا انعام بھی مل جائے گا لیکن بعد میں جب راز کھل جائے گا تو میرا انجام کیا ہوگا۔ میری تو گردن اڑا دی جائے گی۔ اسے اپنا انجام صاف نظر آنے لگا۔ اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ زہریلی دوا پھینک دی اور کارگر دوا بنا کر راجا کو پلائی۔ کچھ ہی دنوں میں راجا تندرست ہوگیا۔

ایک دن شاہی حکیم نے بھرے دربار میں راجا سے کہا ''حضور! جان کی امان پاؤں تو ایک راز کی بات بتاؤں؟'' راجا نے جاں بخشی کا وعدہ کیا تو شاہی حکیم نے پورا واقعہ سناتے ہوئے کہا ''آپ اُس نصیحت کی وجہ سے بچ گئے۔ میں آپ کو دوا کے بدلے زہر دینے والا تھا لیکن اس نصیحت کو پڑھ کر مجھے اپنا انجام نظر آیا اور میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔'' راجا شاہی حکیم کی صاف گوئی پر بڑا خوش ہوا۔ اسے ڈھیر سارا انعام دیا۔ راجا نے اپنے وزیر سے کہا ''دیکھا اسی نصیحت کی وجہ سے آج میری جان بچی۔ حالانکہ اس وقت تمھیں بڑا ناگوار محسوس ہو رہا تھا۔ جب میں نے فقیر کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا حکم تمھیں دیا تھا۔'' وزیر نے شرمندہ ہو کر کہا:

''بجا فرمایا حضور آپ نے۔ اب میری بھی سمجھ میں آ گیا کہ بزرگوں کی نصیحت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔''

ہر انسان کو کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے اپنا انجام سوچ لینا چاہیے۔

■

Abdul Qayyum Master
Qassab Bara, Gali No: 7
Ghar 2258
Dhulia - (Maharashtra)

سنہرے اقوال

1. گناہ پر ندامت گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ نیکی پر غرور نیکی کو تباہ کر دیتا ہے۔ (حضرت علیؓ)
2. اگر تم صرف اپنے لیے زندہ ہو تو اس کا مطلب یہی ہے کہ تم اپنی قوم کے لیے زندہ لاش ہو۔ (مولانا ابوالکلام آزاد)
3. جو دکھ دے اس سے تعلق نہ رکھو اور جس سے تعلق رکھو اسے کبھی دکھ نہ دو۔ (حضرت علیؓ)
4. دوستوں کو مصیبت میں چھوڑنا بزدلی ہے۔ (حسینؓ)
5. کسی کی پہچان علم سے نہیں ہوتی بلکہ ادب سے ہوتی ہے کیونکہ علم تو ابلیس کے پاس بھی تھا لیکن وہ ادب سے محروم تھا۔
6. اپنے دشمن کو ایک ہزار موقعے دو کہ وہ تمھارا دوست بن جائے لیکن دوست کو ایک موقع بھی نہ دو کہ وہ تمھارا دشمن بن جائے۔ (حضرت علیؓ)
7. جس نے کسی کو اکیلے میں نصیحت کی اس نے اس کو سنوار دیا اور جس نے کسی کو سب کے سامنے نصیحت کی اس نے اسے مزید بگاڑ دیا۔ (حضرت علیؓ)
8. وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی جس میں خیانت، جھوٹ، دھوکہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔
9. جو غلطی نہیں کر سکتا وہ فرشتہ ہے، جو غلطی کر کے ڈٹ جائے وہ شیطان ہے، جو غلطی کر کے فوراً توبہ کر لے وہ انسان ہے۔ (امام غزالی)
10. مایوسی ایک دھوپ ہے جو سخت سے سخت وجود کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ (شیخ سعدی)

■

Syed Ubaidullah Hashmi
Hashmi Syed Arif
PathanMohalla ،Pathri - 431506
Distt: Parbhani - (Maharashtra)

سمیع الدین اطہر

قلعہ دولت آباد

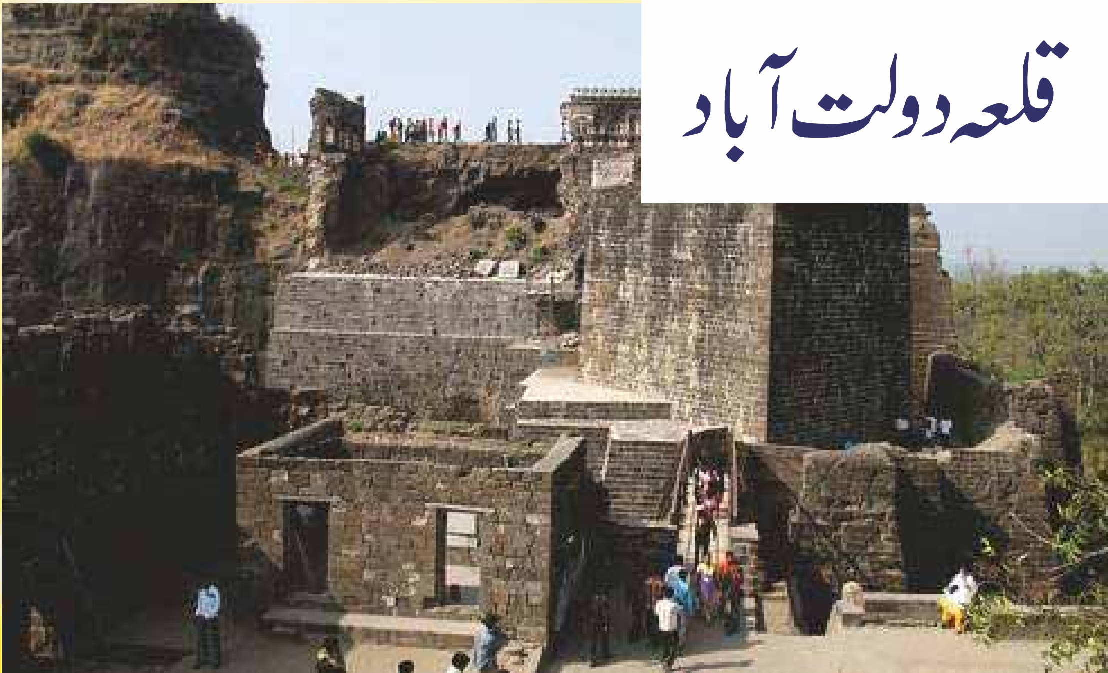

خندقیں اور محلات دشمن کو چکرا دینے والی بھول بھلیاں، برج، راہداریاں، دیواریں، بلند دروازے، کنویں، حوض، خفیہ تہہ خانے اور گھات لگا کر حملہ اور دفاع کرنے کے خفیہ گوشے سیاحوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔قلعہ دولت آباد شہر سے 13رکلومیٹر دور ایک پہاڑی پر ہے۔آٹھ سو سال پہلے اس کا نام دیوگری تھا۔ 1187 میں یادو خاندان کے بھلام راجا نے یہ شہر آباد کیا تھا۔لیکن جب سلطان محمد بن تغلق نے دہلی کے بجائے دکن کو اپنی سلطنت کا صدر مقام بنایا تو دیوگری کا نام تبدیل کر کے دولت آباد رکھ دیا۔یادو خاندان کے بعد ڈیڑھ سو سال کے اندر سات شاہی خاندانوں کی اس پر حکمرانی رہی۔پہاڑی پر تعمیر اس قلعہ کے گرد 40رفٹ گہری خندق (کھائی) ہے جو ماضی میں پانی سے بھری رہتی تھی اور اس میں مگر مچھ چھوڑے گئے تھے۔خندق میں دشمن کے گر جانے کے بعد اس کا بچنا ناممکن تھا۔جس پہاڑی پر قلعہ ہے اس کو گولائی میں اس طرح قلعہ کو ناقابل تسخیر حیثیت دے رکھی تھی کیونکہ یہاں چڑھائی کرنے والے دشمن پھنس کر رہ جاتے تھے۔

دولت آباد قلعہ کی قابل دید تعمیرات میں چاند مینار، جامع مسجد ،شاہی محلات ہیں۔چاند مینار 30رمیٹر بلند ہے۔ 1435 میں علاؤالدین بہمنی نے اس قلعہ پر حملہ کیا اور اس پر قابض ہو گیا اور جشن فتح پر چاند مینار تعمیر کیا۔یہ چار منزلہ مینار ہے، یہ مینار فتح کی علامت ہے۔چینی محل نیلے ٹائلس سے تعمیر کیا گیا تھا۔یہیں گولکنڈہ کے آخری حکمراں ابوالحسن تانا شاہ کو 1687 میں قید رکھا گیا تھا۔ 13رسال بعد یہ اس بدنصیب شاہ نے یہیں وفات پائی۔

■

Samiuddin Athar
Flat No: 4, Raheem Plaza
Vip Road, Near Town Hall
Aurangabad - (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھ لیں کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

ہنسی کے غبارے

ایک ملک کی ٹیم جب کرکٹ اور ہاکی کا میچ ہار کر وطن واپس آئی تو اخبار والوں نے منیجر سے کھیل کی کارکردگی کے متعلق پوچھا۔

ہماری ہاکی ٹیم کیسی رہی؟

بہت اچھی۔ ان کے کھلاڑیوں نے بہت اچھے کھیل کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں ہم ہاکی کا میچ ہار گئے۔

اور کرکٹ کی کارکردگی کیسی رہی۔ ایک رپورٹر نے پوچھا۔

کرکٹ میچ وہ جیت گئے۔ منیجر نے جواب دیا۔

ڈاکٹر: کہیے جناب آپریشن کے بعد آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

مریض: ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سینے میں ایک کی بجائے دو دل دھڑک رہے ہوں۔

ڈاکٹر: اوہو۔ میں سوچ رہا تھا آخر میں اپنی گھڑی کہاں رکھ کر بھول گیا ہوں۔

ایک شخص کو کچھ سودا خریدنا تھا وہ ایک دکان پر آیا۔ دکاندار اور ان کے درمیان پورا مکالمہ ہوا۔

آپ کے پاس شیمپو ہے۔ جی نہیں۔

صابن ہے، جی نہیں۔

سرمہ ہے، جی نہیں۔

پاؤڈر ہے، جی نہیں۔

کریم ہے، جی نہیں۔

تالا ہے۔

جی ہاں ہے۔ دکاندار نے جواب دیا۔

تو ایسا کریں دکان کو تالا لگا کر گھر چلے جائیں۔

تسکین ثروت

شیطان لومڑی

بچو! بہت پرانی بات ہے۔ایک جنگل میں بہت سے جانور رہا کرتے تھے۔اس وقت بلی اور چوہا بھی جنگل میں رہا کرتے تھے اور اپنی غذا پودوں اور جھاڑیوں سے حاصل کرتے تھے۔ کوئی کسی کا دشمن نہیں تھا۔سب ایک دوسرے سے مل کر رہا کرتے تھے۔ بڑے جانور چھوٹے اور کمزور جانوروں پر ظلم نہیں کرتے تھے۔اس جنگل کا راجہ شیر تھا۔ وہ اپنی رعایا کا بہت خیال رکھتا تھا۔سب جانور بھی اس کا حکم مانتے تھے۔کسی کو کسی سے شکایت نہیں تھی۔ ہر جانور کو اس کی صحت کے حساب سے کام دیا جاتا تھا۔ ہاتھی کا کام جنگل میں جو سوکھے پیڑ ہیں ان کو نکال کر ایک جگہ جمع کرنا تھا۔ چیتے حفاظتی فوج میں تھے کیونکہ وہ دشمن پر اچھی طرح حملہ کرتے تھے۔سانپ اپنے جنگل کے لیے جاسوسی کا کام کرتے اور اگر کوئی خطرہ ہوتا تو اپنے راجہ شیر کو آ کر سب کچھ بتا دیتے۔ بلی کو دودھ کی نگرانی کرنے پر رکھا گیا تھا۔ اس وقت بلی دودھ اور گوشت نہیں بلکہ گھاس کھایا کرتی تھی۔ چوہا بھی جاسوس تھا۔اگر کوئی اپنا کام ٹھیک نہ کر رہا ہوتا تو چوہا شیر کو جا کر کہہ دیتا۔بلبل اور کوئل خوشی کے موقعے پر گیت گا کر اور مور ناچ کر تفریح کا سامان مہیا کرتے۔سب جانوروں کو پیار سے رہتے دیکھ کر شیطان کو بہت دکھ ہوتا تھا۔ اس کو جلن ہوتی تھی۔ وہ سب جانوروں سے جلتا اور ہر وقت یہ سوچتا رہتا کہ ان میں کس طرح پھوٹ ڈالی جائے۔ایک دن اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ لومڑی بن کر بلی کے پاس گیا اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا۔اس نے بلی سے کہا بی بلی تم نے کبھی دودھ کا مزہ چکھا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بہت ہی اچھا ہوتا ہے دودھ صحت کے لیے۔ بلی بولی کیا تم مجھ سے اس طرح کی بے ایمانی کی امید کرتی ہو۔لومڑی یعنی شیطان بولا نہیں نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں۔ میں تو تم کو یہ کہہ رہا تھا کہ جس چیز کی حفاظت کی ذمہ داری تم کو دی گئی ہے،اس چیز سے تمھاری واقفیت ہونا ضروری ہے۔ جب تک کسی چیز کا مزہ ہمیں معلوم نہ ہو ہم اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔آخر بلی لومڑی شیطان کی باتوں میں آ ہی گئی اور زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے دودھ کا مزہ چکھا۔اس کو دودھ بہت اچھا لگا۔ پھر کیا تھا وہ روز دودھ چرا کر پینے لگی۔آخر اس کی یہ چوری کب تک چھپی رہتی۔ایک دن اس کو چوہے نے دیکھ ہی لیا۔فوراً اس کی بے ایمانی کی خبر اپنے راجہ کو جا سنائی۔ شیر یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور چیتوں کو بھیج کر بلی کو پکڑ لانے کا حکم دیا۔ چار چیتے گئے اور بلی کو گرفتار کر کے لے آئے۔شیر

نے پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ تم نے دودھ پیا ہے جس کام پر تم کو رکھا گیا تھا اس میں تم نے بے ایمانی کی ہے۔ بلی بولی یہ سراسر غلط ہے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے خلاف یہ ضرور کسی نے سازش کی ہے۔ میں بے قصور ہوں۔ میں نے کوئی بے ایمانی نہیں کی۔ یہ سن کر شیر نے کہا چوہے کو دربار میں پیش کیا جائے۔ چوہے کو لایا گیا۔ چوہے نے جو کچھ دیکھا تھا سب کو شیر اور بلی دونوں کے سامنے کہہ دیا۔ یہ سن کر بلی کو پسینے چھوٹ گئے کیونکہ چوہا سچ کہہ رہا تھا۔ پھر شیر نے گرج دار آواز میں کہا تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تمھاری مونچھوں پر جو بالائی لگی ہوتی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ تم نے دودھ چرا کر پیا ہے۔ اس لیے تم کو اس جنگل سے باہر کیا جاتا ہے۔ اگر تم پھر اس جنگل میں دیکھی گئیں یا تمھارے خاندان کا کوئی فرد اس جنگل میں دکھائی دیا تو وہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ دربار ختم ہو گیا۔ بلی نے چوہے سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ بلی کو لے جایا جانے لگا تو تمام جانور اس کے پیچھے جانے لگے اور اس کو برا بھلا کہنے لگے اور اس کو جنگل سے باہر کر دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد چوہے کو بھی بے ایمانی کے جرم میں جنگل سے باہر کر دیا گیا۔ تب سے چوہا اور بلی انسانوں کے بیچ رہ رہے ہیں۔ اس کے بعد اگر بلی کو کوئی چوہا نظر آ جائے تو اس کو اپنا لقمہ بنا لیتی ہے۔ شیطان یہ دیکھ کر بہت خوش تھا کہ اس نے جنگل کا سب امن ختم کر دیا۔ اس کے بعد شیر نے سبزیوں کے بجائے گوشت کھانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بعد سارے جنگل میں ہاہا کار مچ گئی۔ شیر ایک ایک کر کے سارے جانوروں کو کھانے لگا۔ اس کو دیکھ کر چیتے نے بھی جانوروں کا شکار کرنا شروع کر دیا۔ لیکن شیر یا چیتا ہاتھی سے نہیں ٹکراتے۔ بھیڑیے بھی چھوٹے چھوٹے جانوروں کو کھانے لگے اور سارا جنگل ویران ہو گیا اور سب ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن گئے۔

■

Taskin Sarwat Sali Khan
School No 20, Class VI
Khadka Road
Bhusawal (Maharashtra)

فرحہ ناز نور احمد لکھنوی

باپ کی اہمیت

ایک گاؤں میں ایک غریب کسان رہتا تھا۔ وہ مزدوری کر کے گھر واپس آیا۔ اُس نے بیٹے سے پوچھا۔

باپ: بیٹے میں طاقتور ہوں یا تم؟

بیٹا: میں

باپ: کچھ دیر کے لیے چپ ہو گیا اور پھر ایک دفعہ پوچھا: بیٹے میں طاقتور ہوں یا تم ہو۔

بیٹا: آپ ہیں۔

باپ: ابھی تم کہہ رہے تھے کہ میں طاقتور ہوں۔

بیٹا: پاپا، جب تک میرے کندھے پر آپ کا ہاتھ ہے تب تک میں دنیا کا سب سے طاقتور انسان ہوں۔ جب آپ کا ہاتھ میرے کندھے سے ہٹ گیا تو میں کمزور انسان ہوں۔

(ماں، باپ عظیم تحفہ ہیں۔ ان کی عزت کرنا سیکھو)

■

Farha Naaz Noor Ahmed Lakhnavi
Class: 7th, UGS, No:2
Bailhongal (Karnataka)

شیخ کریم الدین شیخ اقبال، درجہ نہم، دی مالیگاؤں، ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، مہاراشٹر

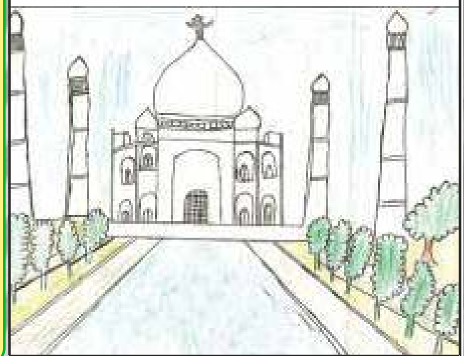

اقرا شیخ عابد، درجہ ہشتم، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر، مہاراشٹر

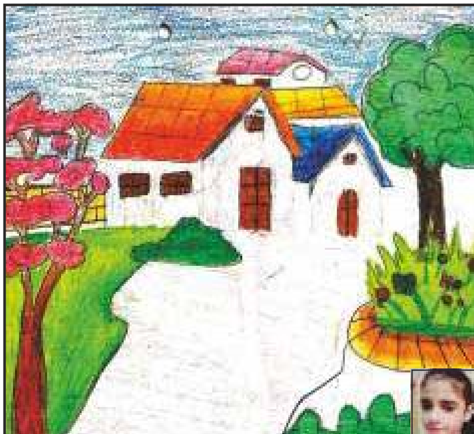

حرا تبسم، درجہ ہفتم
گورنمنٹ گرلس سینئر سیکنڈری اسکول، جسولہ وہار، نئی دہلی

سماویہ احسان، درجہ ششم، گورنمنٹ گرلس سینئر سیکنڈری اسکول، جسولہ وہار، نئی دہلی

سیدہ ام خنساء درجہ چہارم، فتح پور، ہسوہ (یوپی)

سلمی شوکت، درجہ ہفتم، اردو ہائر پرائمری، مدرسہ نمبر 2، بیل ہونگل

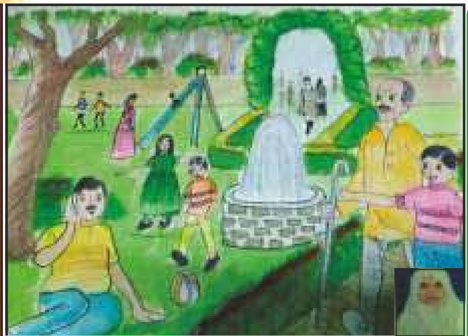

تنزیلہ ارم محمد اسلم، درجہ ہشتم
خاتون جمن گرلس ہائی اسکول، ناسک، مہاراشٹر

اذکیہ عارفی، درجہ پنجم، سینٹ گری پبلک اسکول، سریتا وہار، نئی دہلی 76

آسیہ نثار احمد کتور، سرکاری اردو مدرسہ نمبر 2 بیل ہونگل، کرناٹک

ثنا شبنم، درجہ ششم، دارالعلوم ہائی اسکول، تھوتھا، ملاپورم، کیرالہ

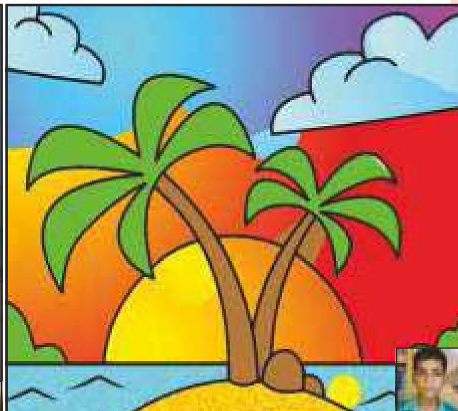

دلشان حسین درجہ سوم، ٹی ایم پبلک اسکول
باری برہمنا، ضلع سامبھا (جموں کشمیر)

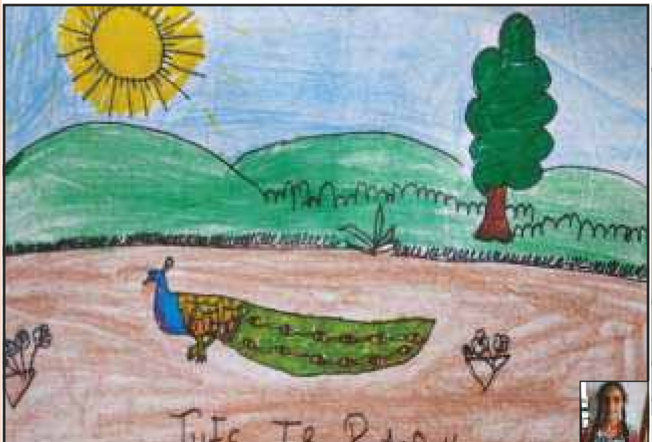

سعدیہ ملک، درجہ ہفتم، ٹی ایم پبلک اسکول، باری برہمنا، ضلع سامبھا (جموں کشمیر)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

فسانہ عجائب

مصنف: رجب علی بیگ سرور

صفحات: 91

قیمت: 25 روپے

کیفیہ

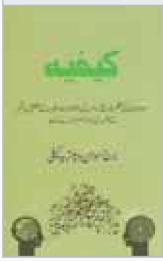

مصنف: برج موہن دتاتریہ کیفی

صفحات: 294

قیمت: 140 روپے

اردو زبان وادب پر عربی کے اثرات

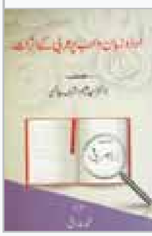

مصنف: ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

مترجم: محمد طارق

صفحات: 507

قیمت: 225 روپے

تاریخ تحریک آزادیِ ہند

مصنف: تاراچند

صفحات: 736

قیمت: 310 روپے

جوامع الحکایات ولوامع الروایات (جلد اوّل)

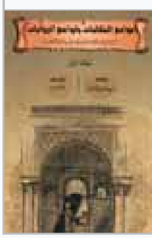

مؤلف: سدیدالدین محمد عوفی

مترجم: غلام سرور

صفحات: 275

قیمت: 155 روپے

تفہیمات وترجیحات

مصنف: شیخ عقیل احمد

صفحات: 237

قیمت: 130 روپے

تذکرہ شعرائے رام پور

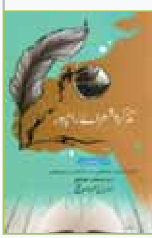

فارسی تصنیف: جارج فانتوم متخلص بہ صاحب وجرجیس

اردو ترجمہ وحواشی: مصباح احمد صدیقی

صفحات: 123، قیمت: 90 روپے

مرزا سلامت علی دبیر (مونوگراف)

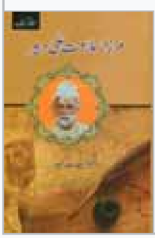

مصنف: سید رضا حیدر

صفحات: 134

قیمت: 85 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, December 2019, Vol. 07, Issue: 12
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 12/11/19
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

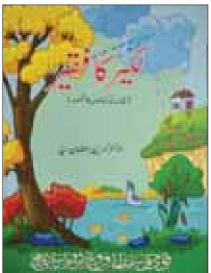

صفحات: 82، قیمت: 35 روپے

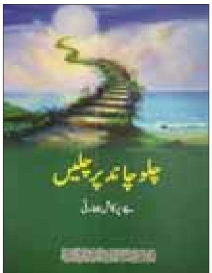

صفحات: 48، قیمت: 16 روپے

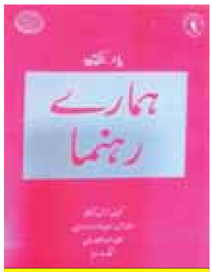

صفحات: 106، قیمت: 35 روپے

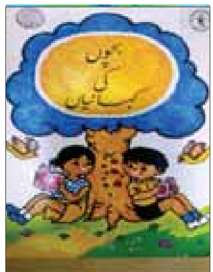

صفحات: 112، قیمت: 25 روپے

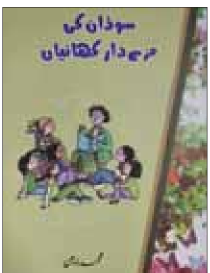

صفحات: 61، قیمت: 20 روپے

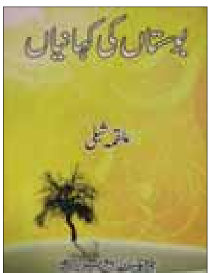

صفحات: 87، قیمت: 20 روپے

صفحات: 61، قیمت: 20 روپے

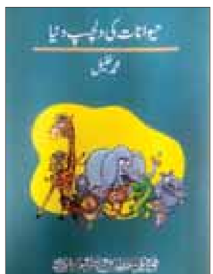

صفحات: 83، قیمت: 24 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.